امہات المومنین اور مستشرقین

ظفر علی قریشی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

اور

مستشرقین

ظفر علی قریشی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور — کراچی — پاکستان

نام کتاب	اُمّہات المومنین اور مستشرقین
مصنف	پروفیسر ظفر علی قریشی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
تعداد اشاعت	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	اپریل 2010ء
کمپیوٹر کوڈ	SH42
ہدیہ	-/250 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔37225085-37247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-32212011-32630411۔ فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

عرض ناشر

پروفیسر ظفر علی قریشی مرحوم ومغفور کی معرکۃ الآرا انگریزی تصنیف ''پرافٹ محمدؐز وائیوز اینڈ اورینٹلسٹس'' *(Prophet Mohammad's Wives and Orientalists)* کا اردو ترجمہ بعنوان ''اُمہات المومنین اور مُستشرقین'' قارئین کے پیش نظر ہے۔ روحانی اور علمی پسِ منظر کی حامل یہ کتاب ان عظیم ہستیوں کے نام معنون ہے۔ جن کی عظمت وعفت کی گواہی پروردگارِ عالم نے خود قرآن پاک میں دی ہے۔

پروفیسر مرحوم نے اپنی تصنیف کی تحریر وتکمیل میں سال ہا سال صرف کردیئے۔ ازاں بعد وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے پایاں رحمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔

اس کتاب کے ترجمہ وتدوین میں پروفیسر محمد رفیق چوہدری، ڈاکٹر اکرام الحق اور اشرف قدسی کی کاوشوں کا اہم حصہ ہے۔ اس کتاب کا سرورق اسلم کمال کی عقیدتوں کا امین ہے۔

مقدس بائیبل کے حوالہ جات ''آتھورائزڈ کنگ جیمز ورشن پلیسڈ بائی گڈلیس انٹرنیشنل دی نیشنل پبلشنگ کمپنی 1961 ایڈیشن یو۔ ایس۔ اے'' *(Authorized King James Version Placed by Gideous International, The National Publishing Company, 1961 Edition, U.S.A.)* سے اخذ کردہ ہیں۔

متعلقہ آیات کریمہ کا ترجمہ امام احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ قرآن پاک موسومہ ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' سے منقول ہے۔

طالب دعا

محمد حفیظ البرکات شاہ

پیش لفظ

اسلامیہ کالج لاہور کے شعبۂ اسلامیات کے سابق اسسٹنٹ پروفیسر ظفر علی قریشی کی ''تصنیف اُمّہات المومنین اور مُستشرقین'' کا مقدمۂ پیش لفظ تحریر کرنے کا اعزاز مجھے تفویض ہوا ہے۔ اس کتاب نے فی الواقع اس موضوع پر میری ناقص معلومات اور کم علمی کو جلا بخشی ہے اور حیاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق میرے علم میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق عامۃ الناس کے اذہان میں ابھرنے والے ہر استفسار کے جواب کے لئے منطقی دلائل کے ساتھ مقدور بھر حصہ ڈالنا واجب ہے۔ اس مشترکہ کاوش میں شمولیت میرے لیے باعث فخر ہے۔

مختلف مستشرقین حد درجہ متعصب ہونے کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے متعلق کم علمی کا شکار بھی تھے۔ اُن کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ارتداد اس کتاب کا مقصد ہے۔ میں مصنف کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ازدواجی پہلو کو انتہائی دانشمندی سے بطور موضوع منتخب کرنے پر مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں۔ گستاخیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شر پسندی کے موجودہ دور میں اس موضوع پر اتنی مدلل بحث اور تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔

اب تک پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ہر پہلو کو اتنی عرق ریزی اور محنت سے محفوظ کر لیا گیا ہے اور اس پر اتنا وسیع لٹریچر موجود ہے کہ اگر کوئی شخص سیرتِ طیبہ پر کوئی نئی کتاب تصنیف کرنا چاہے تو وہ دستیاب وسیع لٹریچر کے بحر بیکراں میں خود کو گمشدہ سمجھنے لگتا ہے اور یہ صورتِ حال اسے شدید گومگو کی کیفیت سے دوچار کر دیتی

ہے کہ وہ کہاں سے اور کیسے ابتدا کرے۔

چھ ابواب پر محیط کم وبیش ---- صفحات پر مشتمل زیرِ نظر کتاب میں فاضل مصنف نے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے کثیر الازواجیت کے پہلو کو مرکزی موضوع منتخب کیا ہے اور اپنے نقطۂ نظر کو متعدد حوالہ جات سے واضح کیا ہے۔ حضور ﷺ کی شانِ اقدس کو کم تر درجہ دینے والے مسیحی مخالفین اور حیات طیبہ کے کثیر الازواجیت کے پہلو پر غیر منطقیانہ بے وزن دلائل اور ہرزہ سرائی پر کمر بستہ رہنے والے مُستشرقین کا واضح جواب دینے کے جذبہ نے کتاب ہذا کے مصنف کو قلم اٹھانے پر آمادہ کیا۔ ان کے غیر منصفانہ، غیر اخلاقی اور متعصبانہ پراپیگنڈہ کی کتاب ہذا میں بالعموم اور باب اوّل اور دوئم میں بالخصوص ان کے اپنے حوالہ جات سے قلعی کھولی گئی ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف شہوت پرستی (العیاذ باللہ) کے الزامات کو رد کرتے ہوئے مصنف نے بابِ سوئم میں حیات طیبہ کو چار زمانوں میں موقت کیا ہے۔ (1) پچیس برسوں پر محیط پہلا حصہ (2) پچیس برسوں سے پچاس برسوں پر مشتمل دوسرا حصہ (3) اکاون برسوں سے 54 برسوں پر محیط تیسرا حصہ اور آخری حصہ یعنی حیات طیبہ کے 55 ویں سال سے 63 ویں سال تک۔

جب آنحضرت ﷺ نے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے شادی کی آپ ﷺ کی عمر 25 برس تھی اور سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا 40 برس کی تھیں۔ قریباً 27/28 برس تک آنحضرت ﷺ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی محبت بھری رفاقت کے امین رہے اور ان کی زندگی میں آنحضرت ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حیاتِ طیبہ کے 54 ویں برس سے لے کر ساٹھویں سال تک آپ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں۔ 60 سال کی عمر کے بعد آپ ﷺ نے کوئی شادی نہیں کی۔ حضور اکرم ﷺ نے 12 شادیاں کیں جن کی مکمل تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔

یہ کتاب اِن شادیوں کے پسِ منظر اور مقاصد کا مفصل اور پُر دلائل احاطہ کرتی ہے۔ یہ امر بہر طور طے شدہ ہے کہ یہ شادیاں یا تو جذبۂ ترحم و خدا ترسی کے تحت انجام پائیں یا جاہلانہ رسم و رواج اور روایات کی بیخ کنی کے لیے تھیں۔ جیسا کہ لے پالک بیٹے کی رواجی حیثیت کا انسداد۔ ان شادیوں کے پسِ منظر میں بسا اوقات معاشی، معاشرتی اور سیاسی وجوہات بھی کارفرما تھیں۔ مثلاً مختلف قبائل کے سرداروں سے قربت کا حصول اور اس طرح وسعت اسلام کے لیے جدوجہد۔ ایک نئے معاشرتی نظام کے قیام کے حصول کے لیے یہ شادیاں بڑی سود مند ثابت ہوئیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اس وقت کے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے واضح رہنمائی فرماتے تھے۔ ان شادیوں کے پس منظر میں کارفرما یہ حکمتِ عملی جنسی لذت سے ہمکنار ہونے کے لچر اور بے ہودہ الزامات کی قطعیت سے تکذیب کرتی ہے۔

ماسوائے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات یا تو بیوہ تھیں یا مطلقہ۔ یہ بات قطعاً بے بنیاد نظر آتی ہے کہ ایک نئی قائم شدہ ریاست کا فرماں روا اپنی جنسی تلذذ کی تسکین کے لیے جواں سالہ کنواری دوشیزاؤں سے شادی کی مکمل دسترس رکھنے کے باوجود ادھیڑ عمر کی بیوگان یا مطلقہ خواتین کو اپنے حرم میں داخل کرتا۔ مصنف نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔ ''ظہور اسلام سے قبل مطلقہ خواتین کو گھٹیا نظروں سے دیکھا جاتا تھا اور انہیں دوسری شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیوگان سے شادی کر کے یہ سنت قائم کردی کہ بیوگان سے شادی عین قانون کے مطابق ہے اور یوں بیوگان کو معاشرے میں باعزت مقام پر فائز کردیا''۔ مُستشرقین کے پاس اس حقیقت کو جھٹلانے کے لیے کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

جناب پروفیسر ظفر علی قریشی کی کاوش کی خوبصورتی کے کئی پہلو ہیں۔ انہوں

نے کتاب کے مرکزی موضوع کو کہیں بھی الگ تھلگ نہیں چھوڑا اور اختصار کے ساتھ حیات طیبہ کی مجموعی عکس بندی کر دی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچپن ہی سے مصائب کا دل جمعی سے سامنا کیا۔ ایک ایسا شخص جس نے عنفوان شباب میں روزمرہ کے معاملات پر بھی دھیان دیا، اُن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوانی بدقماش لوگوں کے درمیان رہ کر بھی بے داغ رہی۔ انہیں صادق کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ عوام الناس کو ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل اعتماد تھا وہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی دنیاوی ترغیبات کا شکار نہ ہوئے۔ وہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غرباء اور مساکین کی مدد پر ہمہ وقت کمر بستہ رہتے تھے۔ انہوں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزمائش اور رنج و غم کی بارگراں کے نیچے بھی اپنے نصب العین سے سرمُو انحراف نہ کیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے بھی بدترین جانی دشمنوں کو درگزر کیا۔ انہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتی امارت، ملکیت اور دولت اکٹھی کرنے کی ہوس نہ تھی۔

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدائے بزرگ و برتر کے احکامات کا عملی مظاہرہ پیش کیا۔ اس امر کا اعتراف تو ان کے بدترین ناقدین بھی کرتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ "کان خلقه القرآن"۔ بے کم و کاست کتاب ہذا سہل بیانی اور بے مثل تحقیقی حوالہ جات سے مزین ہونے کی وجہ سے قاری کو حیاتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق انتہائی قیمتی معلومات فراہم کرتی ہے۔

ناظم حسین

(ناظم حسین صدیقی)
(ریٹائرڈ) چیف جسٹس
سپریم کورٹ آف پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف

مغرب کا معاندانہ رویہ

اپنے مقالۂ تحقیق ''اسلام ان ماڈرن ہسٹری (Islam in Modern History) میں ڈبلیو کانٹ ویل سمتھ W. Cant Well Smith(1) یوں رقم طراز ہے:

''روز اول سے ہی مغرب کے تعلقات دنیائے اسلام سے بمقابلہ کسی دیگر تہذیب کے بنیادی طور پر مخالفانہ رہے ہیں۔ ان کے درمیان تسلسل سے اکثر و بیشتر کھلے عام مخاصمت کی صورت حال برقرار رہی۔ یورپ نے تیرہ صدیوں کے دوران اسلام کو اپنے لئے دشمن اور خطرہ گردانے رکھا۔ چنانچہ یہ امر باعث حیرت نہیں ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشہیر کسی دوسرے عظیم مذہبی رہنما کے مقابلے میں مغرب میں نسبتاً کم ہوئی۔ مغرب میں اسلام دیگر عقائد کے برعکس ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ کارل مارکس (2) کے نظریۂ اشتراکیت کے عروج تک پہنچنے سے پہلے صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہذیب مغرب کو اسکی تاریخ میں پہلی بار ایک تحریک کے ذریعہ چیلنج کیا''۔

ریورنڈ ڈبلیو منٹگمری واٹ (Reverend W.Montgomry Watt)(3) اپنی تصنیف ''وٹ از اسلام'' (What is Islam) میں لکھتا ہے:۔

> ''مشکل یہ ہے کہ ہمیں اسلام کے خلاف گہرا تعصب وراثت میں ملا ہے۔ جس کے ڈانڈے قرون اولیٰ کے جنگی پراپیگنڈہ سے جا ملتے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس حقیقت کو وسیع

القلبی سے تسلیم کرلیا جائے۔ تقریباً آٹھویں صدی سے مسیحی یورپ اسلام سے روحانی اور فوجی طور پر شدید خائف ہونا شروع ہوگیا تھا۔ خوف زدہ مسیحی دنیا کے متزلزل اعتماد کو صرف اسی طرح محکم کیا جاسکتا تھا کہ اس کے مخالف کو ممکنہ انسانی حد تک غیر موزوں انداز میں یوں پیش کیا جائے کہ یہ مبنی برحقیقت محسوس ہو۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں اسلام کے مخالف ابھرنے والا تصور مسلسل یورپین انداز فکر پر مسلط رہا۔ تاآنکہ بیسویں صدی کے دوسرے نصف تک اس کا اثر گھٹ کر برائے نام رہ گیا''۔

ایک اور جگہ ڈاکٹر واٹ (Doctor Watt) کہتا ہے:۔

''۔۔۔۔۔۔ بارہویں صدی سے چودہویں صدی تک مغربی مسیحی دانشور اپنے ہم مذہبوں کو اسلام اور مسلمانوں سے متعلق معلومات فراہم کرتے رہے لیکن اس انداز میں کہ وہ اپنے مذہبی عقیدہ کو بالا تر سمجھیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسیحی دانشوروں نے اسلام کی تصویر کو مسخ کر کے پیش کیا اور حقائق کو نظر انداز کردیا۔

مشاہیرِ تاریخ عالم میں سے کسی کو بھی یورپ میں محمد ﷺ سے کم تر انداز میں نہیں پرکھا گیا۔ بیشتر مغربی مورخین نے جناب محمد ﷺ کے رتبے کا غلط ادراک کیا اور جہاں کہیں بھی کسی امر کی قابل اعتراض تشریح ممکن ہوسکی اُسے حقیقت کا مصنوعی لبادہ پہنا کر تسلیم کرانے کی بھرپور سعی کی گئی''۔

ڈاکٹر واٹ (Doctor Watt) تلخیص مطالب بیان کرتے ہوئے یوں وضاحت کرتا ہے:۔

"چونکہ ہم اب بھی کسی حد تک قرونِ اولیٰ کے متعلق جنگی پراپیگنڈے سے متاثر ہیں۔ اس لئے اسلام کی نسبت ہمارا اندازِ فکر مجموعی طور پر غیر جانبدارانہ نہیں ہے"۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ بنیادی مسیحی عقائد کی شدت سے نفی کرتے ہیں اور غالباً یہ اسلام کے خلاف مسیحی نفرت کی مضبوط ترین وجوہات میں سے ایک ہے۔

"دی ڈکشنری آف اسلام" (The Dictionary of Islam) کا مصنف ریورنڈ۔ٹی۔پی۔ ہیوجیس (Rev. T.P. Hughes) (4) یوں لکھتا ہے۔

"جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغمبرانہ دلائل و خصائل کا اندازہ لگانے کے لیے یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ انہوں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو کسی نئے مذہب کے بانی ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا بلکہ اسے محض عہد نامۂ جدید قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب العزت کے آخری اور افضل ترین پیغمبر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں اس سچے مذہب کی جانب راغب کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا جسے نافذ کرنے کے لیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں آمد سے قبل پانچ عظیم مقننین کو بھیجا گیا۔ آدم علیہ السلام۔ نوح علیہ السلام۔ ابراہیم علیہ السلام۔ موسیٰ علیہ اسلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔ ہمارے موقف کی بنیاد یہی ہے۔ ہم جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سہرا باندھتے ہیں کہ وہ غیر معمولی جنگجو، مقنن، شاعر اور ذہانت کے حامل انسان تھے۔ انہوں نے شدید مخالفت کے باوجود اپنے آپ کو شہرت اور نیک نامی کے بام عروج پر متمکن کرلیا۔ ہم یہ بھی بلا ردوکد تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا نے ان جیسا عظیم ہیرو کبھی نہیں دیکھا۔ ان تمام اعترافات کے باوجود ہم ان کے

اس دعوی پر صرفِ نظر کرتے ہیں کہ وہ آسمانی باپ یسُوع مسیح کے مشن کی تنسیخ کرنے کے لیے آئے تھے۔ بالخصوص اُس کی یہ بنیادی سچائیاں کہ یسوع آسمانی نجات دہندہ اور جنت کی آسائش فراہم کرنے والے تھے"۔

فلپ کے ہٹی (Philip K Hitti)(5) اپنی تصنیف "اسلام اینڈ ویسٹ" (Islam and West) میں رقمطراز ہے۔

"ماضی کی صلیبی جنگ وجدل کی یادیں آنے والی نسلوں کو مزید جنگوں کی وعید دیتی رہیں۔ اجرام فلکی کی پرستش کرنے والے، بدھ ازم اور دیگر کم ترقی یافتہ مذاہب وادیان کو اسطرح طعن وتشنیع کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ بنیادی طور پر عناد ومخاصمت اور تعصب نے افکار مغرب اور اس کے رویہ کو اسلام دشمنی پر محمول کیا۔ اسلامی عقائد کو دشمنوں کے عقائد گردانا گیا جن کو اگر یکسر غلط نہیں تو مشکوک ضرور تصور کیا جاتا تھا"۔

جے جے سانڈر (J. J. Saunder)(6) اپنی کتاب "اے ہسٹری آف میڈیا ول اسلام" (A History of Medieval Islam) میں لکھتا ہے۔

"تاہم اس بات کا انکار کرنا بے سود ہوگا کہ عیسائیوں کے دل میں عربی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی ہمدردی یا نرم گوشہ موجود تھا ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت متوازن اور پاکیزہ تر تھی۔ مسیحی دنیا کو اسلام سے زک اٹھانا پڑی۔ صلیبی جنگوں کے دوران کیے گئے پراپیگنڈہ کی وجہ سے غیر جانبدارانہ فیصلہ کرنا ناممکن تھا۔ اس کے بعد طویل عرصے سے بلکہ ابھی تک جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کی عکاسی نزاعی ادب میں طویل

عرصہ سے بے سرو پا حکایتوں کی صورت میں اشاعت پذیر ہے"۔

کسی حد تک اعتدال پسند مصنف سر ہملٹن گب (Sir Hamilton Gibb) (7) تسلیم کرتا ہے

"یہ قریباً ناممکن ہے کہ پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکی تعلیمات کو غیر حقیقت پسندانہ سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا جا سکے۔ نتیجتاً ایسا ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اتنے ہی نظریات ہیں جتنے کہ سوانح نگار۔ مثال کے طور پر انہیں ایک مصروع، ایک معاشرتی مصلح اور پروٹو مارمن (Proto Mormon) کے طور پر پیش کیا گیا اگر چہ ایسے تمام غیر حقیقت پسندانہ نظریات کو عمومی طور پر دانشوروں کی مستند جماعت نے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ تاہم یہ ناممکن ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور ان کی تبلیغ کے بارے میں معاندانہ عنصر کے کارفرما ہونے کو نظر انداز کیا جا سکے"

قابل ذکر امریکی مؤرخ ایس پی سکاٹ (S.P. Scott) (8) شدومد سے اُن عیسائی مصنفین اور نزاعی شخصیات کی بلاخوف مذمت کرتا ہے، جنہوں نے جان بوجھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کیا۔ وہ یوں گویا ہے

"ہر مذہب کے عقائد موروثی تعصبات کی بنا پر دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے نزدیک جھوٹ پر مبنی اور لغو ہیں۔ دیگر تمام دینی اعتقادات کے مقابلے میں اسلام کم فہمی اور بے انصافی کا

زیادہ نشانہ بنا ہے اور اس کے بانی کا نام تیرہ صدیوں تک۔۔۔ طور پر لیا جاتا رہا (نقل کفر کفر نہ باشد)۔ نہ صرف یہ کہ ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محرکات کو زیر اعتراض رکھا گیا بلکہ ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلوص کی نفی کی گئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار پر ہر اس گناہ کی چھاپ لگائی گئی جس سے بنی نوع انسان کی تحقیر اور ایذا رسانی مقصود ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو انتہائی مہمل اور غیر فطری انداز میں پیش کیا جاتا رہا۔

سڈنی کیو (Sydney Cave)(9) لکھتا ہے کہ:

''ماسوائے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی اور شخصیت کی اتنی زہر آلود کردار کشی نہیں کی گئی۔ اسلام کو خطرہ گردانتے والے مسیحی مصنفین عرصہ دراز سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہر ناگوار اور غیر منصفانہ توجیہ کو بے دریغ غیر منصفانہ انداز میں پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ہستی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے اپنے مشن کے حصول کے لیے دس برس تک سختیاں برداشت کیں، محض ایک جھوٹی دعویدار نہ تھی۔ یکسر دروغ گو شخص کسی مذہب کا بانی نہیں ہوسکتا۔ کارلائل (10) اس حقیقت کا معترف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ناقابل بیان ذہانت، مذہبی جوش و جذبہ اور پروقار ذہانت سے باہمی دشمن قبائل کو ایک قوم بنا دیا۔ تاریخ میں ان کے نام کو دوام حاصل رہے گا''۔

جناب پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جافرے پرینڈر (Geoffrey Parrinder)(11) لکھتا ہے:

''کسی بڑے رہنما کو دوسرے مذہب کی جانب سے اس طرح بہتان طرازی کا شکار نہیں بنایا گیا نہ ہی اسے اتنے غیر موزوں انداز میں پیش کیا گیا۔ عیسائیوں کا رویہ تو آپ ﷺ کے بارے میں انتہائی افسوس ناک رہا۔ تاہم پیغمبر آخر الزمان ﷺ بلا شبہ بنی نوع انسان کے موثر ترین مبلغین میں سے تھے اور دین اسلام نے بہت بڑی تہذیبوں کو جنم دیا۔ ازمنۂ وسطیٰ میں مسلمانوں کی کردار کشی انہیں محمد ﷺ کے پجاری ظاہر کر کے کی گئی۔ حالانکہ وہ ایسے کبھی نہیں تھے۔ درحقیقت وہ تو ہر طرح کی اصنام پرستی کے مخالف تھے''۔

دانتے "Dante" (12) نے اپنی تصنیف ''ڈیوائن کامیڈی'' (Divine Comedy) میں جناب محمد ﷺ کی شان میں ناقابل بیان گستاخانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہی حال ایک مصلح زاونگلی (Zawingli) (13) کا ہے۔ (ہم اس کے الفاظ کو بھی اس کتاب میں دہرانے کی جسارت نہیں کر سکتے)۔ انیسویں صدی کے عیسائی مصنفین بھی جناب پیغمبر ﷺ کے متعلق اسی قسم کی دریدہ دہنی کے مرتکب نظر آتے ہیں''۔

جان رینارڈ (John Renard) (14) لکھتا ہے:۔

''شاید ہی چند شخصیات ایسی ہوں جو جناب محمد ﷺ سے زیادہ مسیحی مصنفین کے قلم کے سب وشتم اور اتہام طرازی کا نشانہ بنی ہوں۔ عیسائی اِس ہستی ﷺ اور اس کے کروڑوں مسلمان پیروکاروں کے مقام کا ادراک کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ہم

غیر مسلموں بالخصوص وہ جن کی تہذیب وثقافت یورو امریکن ہے کو علم ہونا چاہیے کہ ہم اسلام کے طریقہ کار اور تبلیغ کو روایتی تعصبات کی سرحدوں میں رہ کر سوچتے اور پرکھتے ہیں جن میں سے بعض تعصبات مکمل طور پر آشکار نہیں ہوتے اور انتہائی ناواجب ہیں''۔

ہائچم ڈی جاٹ (Hicham DJaut)(15) عیسائیت کی اسلام دشمنی کے متعلق اس طرح بیانی ہے:

''اپنے مسلک اور سائنسی کامیابیوں کی وجہ سے اسلام کو تاریخ افکار کا بنیادی مدومعاون مانا گیا ہے۔ اس کی عظمت کو اگر ایک طرف تسلیم کیا گیا تو کچھ لوگوں نے اسے بطور مذہب اور ضابطۂ حیات مسترد کر دیا۔ حالانکہ اس کے تمام پہلو واشگاف تھے۔ اس طرح مغرب نے عرب مفکرین کی کامرانیوں کو اسلام کے متعلق رائے قائم کرتے وقت نظر انداز کر دیا''۔

اس صورتحال نے بارہویں صدی میں جنم لیا۔ یہ تیرہویں اور چودہویں صدی میں مزید وسعت پذیر ہوئی۔ اٹھارہویں صدی تک یہی صورت حال برقرار رہی۔ اس کے کچھ اثرات تو نوآبادیاتی دور تک موجود رہے جس کی بنیادی وجہ پیغمبر اسلام ﷺ پر شدید غم وغصہ تھا کہ اُن کی مبینہ جھوٹی نبوت (عیاذ باللہ) نے انسانیت کو عیسائیت کے ہمہ گیر اور آفاقی ارتقاء کی طرف گامزن ہونے سے روک دیا''۔

سٹیفن نیل (Stephen Neill)(16) رقمطراز ہے۔

''عیسائیت کا مسلمانوں کے لیے نقطہ نظر الا ماشاءاللہ اتہام طرازیوں پر مبنی تھا''

سرڈینی سن راس(Sir Denison Ross)(17)اپنی کتاب ''سیل کا ترجمہ قرآن پاک''(Sale's Translation of The Holy Quran)کے تعارفی کلمات میں لکھتا ہے:

''کئی صدیوں تک یورپی اقوام کی محمڈن ازم کے بارے میں رائے کی بنیاد زیادہ تر متشدد عیسائیوں کی گمراہ کن نظریات پر مبنی تھی جس کی وجہ سے شدید اتہام طرازیوں نے جنم لیا۔ محمڈن ازم کی خوبیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور اہل مغرب کی نظر میں اس کے مبینہ برے پہلوؤں کو بڑھا چڑھا کر اور غلط انداز میں پیش کیا گیا''

''کیمبرج میڈیاول ہسٹری'' (Cambridge Medieval History)(17) میں پروفیسر بی وان(18)(Professor Bevan)کے بیان سے پیغمبر ﷺ کے متعلق تنقید کی حقیقت کا اندازہ اس کی ذیل کی تحریر سے لگایا جا سکتا ہے:

"انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں شائع ہونے والے لاتعداد مُجلّوں میں مندرج الزامات کو یکسر نظر انداز کر دینا چاہیے"

''شیپنگ آف عربس'' (Shaping of Arabs)(19) کا مصنف جوئل کارمیکائیل(Joel Carmichael)لکھتا ہے:

''مغربی دانش مندی میں خاصا تکنیکی تعصب کارفرما رہا ہے۔ گو اس سے متاثر شدہ سکالرز یہ امر تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ لہٰذا پرزور ذہنی کاوش کی ضرورت ہے تا کہ عالمانہ تحریروں کی تہہ میں چھپے ہوئے عناد پر مبنی افکار سے چھٹکارا حاصل کیا

جا سکے۔"

ایف۔ڈی والٹیئر (F.D. Voltaire)(20) نے اقوام عالم میں عیسائیوں کو مذہبی رواداری سے عاری قرار دیا ہے۔اسکے الفاظ یوں ہیں:

"جملہ مذاہب میں سے عیسائیت کو جذبہ برداشت سے سرشار ہونا چاہیے تھا۔مگر عیسائیوں میں دنیا بھر کے انسانوں کے مقابلے میں رواداری کا مادہ نہیں"

واٹ۔ریو۔منٹگمری (Watt. Rev. Montgomery) اپنی کتاب "دی کیور آف ہیومن اِلز" (The Cure of Human ills) میں رقمطراز ہے:

"جس طرح کوئی لادینی معاشرہ اپنے مخالفین کو جنگی پراپیگنڈہ کے ذریعہ کمزور گردانتے ہوئے اُن کے تمام افعال کو رسوا کرتا ہے اسی طرح عیسائی بھی اپنے مذہبی مخالفین کے ساتھ توہین آمیز سلوک روا رکھتے ہیں"

لیسٹر مانڈیل (Lester Mondale)(21) برملا تسلیم کرتا ہے:

"دنیا کے جملہ مذاہب میں عیسائیت یا یہودیت کے حامل پیروکاروں کے لیے اسلام کی حقیقت پسندانہ قدر و منزلت کا تعین بہت مشکل ہے"۔

ایک سے زائد مصنفین کے مطابق جب اہل یورپ کے لیے ترکوں کا خطرہ ٹل گیا تو پھر مسیحی نگارشات میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے لیے ایک حد تک متوازن مذہبی سوچ نے جنم لیا

ہٹی (Hitti) اپنی تصنیف "اسلام اینڈ دی ویسٹ (Islam and the West) میں لکھتا ہے:

''ایک نسبتاً قابل برداشت دینی نقطہ نظر نے اٹھارہویں صدی میں جنم لیا اس وقت تک مغرب کے عربی دانوں نے مسافروں اور تجار کے ذریعہ قابل اعتماد خبری ذرائع تلاش کر لئے تھے۔ سفارت کار اور مشنری حضرات نے بھی حقیقتِ احوال کو واضح کرنے میں کردار ادا کیا لیکن عیسائی مبلغین نے اپنے عقائد کی پشت پناہی کے لئے اسلام کے بارے میں مزید منفی اندازِ فکر اپنا لیا۔ چنانچہ علماء کرام بھی موروثی تعصب کی برفانی سلوں کو نہ پگھلا سکے''۔

گوئٹے (Goeth)(22) نے جدید سوچ اور بین الاقوامی نقطہ نظر کی پیشگوئی کی۔ یہ مذہبی سکالر محمد ﷺ کو جھوٹا دعویدار نبوت نہیں گردانتا۔

انیسویں صدی کے وسط میں اسلامی تہذیب وثقافت کے بارے میں عالمانہ نقطہ نظر میں تبدیلی کھل کر سامنے آ گئی۔ کارلائل (Carlyle) نے جناب محمد ﷺ کو بطور پیغمبر ایک ہیرو کے طور پر منتخب کیا۔ اسکے اندازِ فکر میں کسی ناگواری کا شائبہ نہیں۔

چنانچہ آر۔ ڈبلیو سوتھرن (R.W.Southern)(23) اسی طور پر لکھتا ہے:۔

''1120ء سے اہل مغرب کے ذہن میں اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ایک واضح تصویر موجود تھی۔ لیکن یہ علم کی بنیاد پر نہ تھی اور اس کی تفاصیل بھی محض حادثاتی طور پر درست تھیں۔ اس دور کے مصنفین اپنی کم فہمی کی وجہ سے بزعم خود خوش تھے''۔

پروفیسر برنارڈ لیوز (Professor Bernard Lewis)(24) جدید دانش وروں کی تحریروں میں متعصبانہ مذہبی رویہ کی جانب توجہ مبذول کراتا ہے۔

''ایٹ سنڈری ٹائمز'' (At Sundry Times) میں زاہنر (Zaehner) (25) لکھتا ہے:

''عیسائیت کے پیروکاروں کے علاوہ کوئی بھی اس کی حمایت میں آدھے راستے سے آگے جانے کو تیار نہ ہے کیونکہ قرآن ہی وہ کتاب ہے جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح مانتی ہے اور اللہ تعالی کا پیغمبر بھی لیکن خدا کا بیٹا ہرگز نہیں کیونکہ نہ اللہ کو کسی نے جنا نہ ہی اللہ نے کسی کو جنا۔ محمد ﷺ کے پیروکار حضرت عیسیٰ کی از حد تعظیم کرتے ہیں۔ جب کوئی پیغمبر جناب محمد ﷺ کے متعلق توہین آمیز رویے کا اظہار کرے جیسا کہ عیسائی اکثر اس کے مرتکب ہوتے ہیں تو وہ اس بات سے جائز طور پر جز بز ہوتے ہیں۔ اہل اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے تصور کو تسلیم نہیں کرتے نہ ہی ان کے مصلوب کیے جانے کے دعوی کو مبنی بر حقیقت مانتے ہیں۔ مواحد پرست محمد ﷺ سے پہلے خدا کے عظیم پیغمبر یعنی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اس مبینہ انجام کو انتہائی تحقیر آمیز گردانتے ہیں''۔

اسلام اور جناب محمد ﷺ کے لیے مستشرقین کی مخالفت کی وجوہات

فلپ کے ہٹی (Phillip K Hitti) اپنی کتاب ''اسلام اینڈ ویسٹ'' (Islam and West) میں صلیبی جنگوں کی یاد دلاتا ہے اور بعد میں آنے والی نسلوں کے اس خدشہ کا اظہار بھی کرتا ہے کہ اسی طرح کے مزید معرکے ہوں گے۔ مستشرقین کے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں تعصب اور مخالفت کی

جڑیں تاریخ میں بہت گہری ہیں۔ فی الواقع یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ مستشرقین نے جب بھی جناب محمد ﷺ کی زندگی پر قلم اٹھایا تو بدنیتی کی بنا پر۔ انہوں نے ہمیشہ ان کی ازدواجی زندگی کو غیر منصفانہ اور خلاف حقائق تنقید کا نشانہ بنایا۔

پیغمبر محمد ﷺ واقعتاً بنی نوع انسان کے عظیم ترین بہی خواہ اور محسن تھے۔ مغربی دنیا جب جہالت کی تاریکیوں میں گم تھی تو ایسے میں پیغمبر اسلام ﷺ نے بنی نوع انسان کو قرآن پاک جو ان پر آسمان سے نازل ہوا، تحفے کے طور پر پیش کیا آپ ﷺ کی مکمل حیات بنی نوع انسان کے لئے تاابد معیاری اور مثالی مشعل راہ ثابت ہوئی۔

پیغمبر اسلام ﷺ کو رسوا کرنے کے ارادے سے مستشرقین نے یا تو تاریخی پس منظر کو مسخ کیا یا پھر اخفائے حقائق کیا۔ آنے والے صفحات میں یہ امر واضح ہو جائے گا کہ مدینہ منورہ سے ظہور پذیر ہونے والی لامحدود برکات نے نہ صرف مشرق وسطی بلکہ جدید یورپ کو بھی بہرہ مند کیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق مستشرقین کے بغض و کینہ پر مبنی اعتراضات کو حقائق کی روشنی میں دیکھنا چاہیے کہ انکی ذات کا بنی نوع انسان کی مادی و روحانی زندگی میں جاری و ساری برکات کا کتنا احسان ہے۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ کی مثالی ازدواجی زندگی پر اعتراضات اور حملے یکسر غیر منصفانہ تھے (اس موضوع پر باب سوئم سے ششم تک روشنی ڈالی گئی ہے)

عربوں کی تعریف و توصیف بطور نجات دہندہ

جارج سیل (George Sale) قرآن کریم کے انگریزی ترجمے کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ آخر کیوں عیسائی مصنفین ارادتاً پیغمبر اسلام ﷺ کو رسوا کرتے ہیں:

> ''کلیسائے مشرق اس وقت انتہائی پر شکوہ انداز میں پنپ رہا تھا۔ اس کی تباہی ''محمڈن ازم'' کے اچانک وسعت پذیر ہونے

سے ہوئی۔ اس عظیم کامیابی نے فطری طور پر مسیحی دنیا کے دل
میں اسلام کے متعلق خوف پیدا کر دیا۔ بالخصوص ان لوگوں کے
دلوں میں جن کے لئے اس کا تصور ہی مہلک تھا اس لیے کوئی
اچنبھے کی بات نہیں کہ وہ نبی مکرم ﷺ کی شخصیت اور اسلام
کے عقائد کو منفی انداز سے دیکھتے ہیں" سیل (Sale) کے
مطابق کلیسائے مشرق کی تباہی کی وجہ عربوں کی ابتدائی فتوحات
ہیں جو بزورِ شمشیر وسعت اسلام کے لئے کی گئیں۔ مغرب میں
اسی امر کا چرچا کیا جاتا ہے"۔

کچھ مصنفین نے مسلمانوں پر الزام لگایا کہ انہوں نے عیسائیوں پر حملے لوٹ مار اور مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لئے کیے لیکن مشرقی کلیساؤں کی تباہی کی حقیقی تاریخی وجوہات سے سیل (Sale) کی من گھڑت کہانیوں کی نفی ہوتی ہے۔ قدامت پسند کلیسائے یونان کو بازنطینی حکومت کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی انہوں نے ثانوی درجے کے گرجاؤں کو غاصبانہ فرمانروائی سے اپنا مطیع فرمان بنائے رکھا تھا اور انہیں جی بھر کر نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ چنانچہ مسلسل ایذا رسانی کے شکار ان مظلوم عیسائیوں اور دوسری اقوام نے عرب فاتحین کو اپنی آزادی کے ہیروؤں کی حیثیت سے خوش آمدید کہا۔

اس موضوع پر مختصراً عرض ہے چہ جائیکہ عرب لوٹ مار کے مرتکب ہوتے درحقیقت دونوں عظیم ہمسایہ سلطنتوں کے عیسائیوں اور دیگر عامتہ الناس نے انہیں آزادی دلانے والے دیوتاؤں کی حیثیت سے خوش آمدید کہا۔ راندۂ درگاہ انسانیت نے عربوں کی فتوحات پر سکھ کا سانس لیا کیونکہ انکی بدولت انہیں متعصب دینی پیشوائی نظام اور قابل نفرت غاصبانہ حکومت سے نجات ملی۔ اس ضمن میں پہلے بازنطینی قلمرو

کے حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) شام اور مصر میں مروجہ حالات کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> ''بازنطینی حکومت کے خلاف نفرت اور اس کے عائد کردہ ٹیکسوں کے ناقابل برداشت بوجھ کا واویلا Heritical monophisite چرچ میں ہونے لگا۔ یہ چرچ سلطنت کے قدامت پسند چرچ کے شدید مخالف بلکہ ان کے خون کے پیاسے تھے۔ فلسطین کے یہودی ان ہیریٹیکل کرسچن (Heritical Christians) سے بھی بڑھ کر بازنطینی حکمرانوں کے ستم گزیدہ تھے اور ان کے دلوں میں بھی اپنے حکمرانوں کے لئے کوئی نرم گوشہ نہ تھا''۔

اے۔ جے۔ بٹلر (A.J Butler)(26) نے قبطی کلیساؤں اور اہالیان مصر پر ہرقل (Heraclius) (27) اور اس کے متبنّٰی المکاؤکس یا سائرس کی طرف سے ڈھائے جانے والے شدید مظالم کے متعلق چند صفحات مخصوص کیے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے ''جنہوں نے ترکِ عقائد سے انکار کیا اور سائرس کی مزاحمت کی۔ وہ کوڑے کھانے پر مجبور تھے۔ انکا مقدر شدید جسمانی اذیتیں اور قید و بند کی صعوبتیں ٹھہریں۔ حتیٰ کہ موت نے انہیں گھیر لیا۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے عقیدے سے دستبردار نہ ہوئے۔ مصر سے انسانیا تک ہر شہر میں ملکایتی بشپ Meikite Bishops مقرر کیے گئے تھے۔ کلیساء مصر کے مذہبی رہنما موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے یا پھر وہ خود ملک بدر ہو کر مختلف جگہوں پر روپوش ہو گئے۔۔۔۔۔''

سر ولیم میور (Sir William Muir)(28) ان نکتہ ہائے نظر کی توثیق میں

یوں لکھتا ہے کہ:۔

''.... مادر وطن کے متوالے جنہیں ظلم و تشدد اور استحصال کے ذریعے دبانے کی کوشش کی گئی اپنے حکمرانوں کے خلاف ہمہ وقت بغاوت کے لیے تیار تھے۔ مقامی باشندوں کو قدامت پرستی کی طرف واپس دھکیلنے کے لئے بازنطینی حکمرانوں کی ان تھک اور لامتناہی مہم شدید نفرتوں اور تلخیوں کو جنم دے رہی تھی۔ جبکہ قبطی وحدت پرستی کے مسلک پر سختی سے کاربند تھے۔ مکافاتِ عمل ان استحصال پسندوں کو جلد ہی گرفت میں لینے والا تھا۔ چنانچہ عرب ظلم کی چکی میں پسی ہوئی انسانیت کو تحفظ اور سنبھالا دینے کے لئے یلغار کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے''۔

سی۔ایچ بیکر (C.H. Becker)(29) تسلیم کرتا ہے کہ:۔

''.... شام میں جہاں کہیں سامی سکونت پذیر تھے، بازنطینی حکومت کو حد درجہ عمیق نفرت سے دیکھا جاتا تھا وہ عربوں کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہتے تھے۔ پھر عربوں کا مطالبہ، خراج بھی زیادہ بوجھل نہ تھا اسکے علاوہ عربوں نے انہیں مکمل مذہبی آزادی دے دی''۔

جیمز ویسٹ فال تھامسن (James Westfall Thomson)(30) عربوں کی فتحِ مصر کے بارے میں لکھتا ہے کہ:۔

''.... ھیراکلیس کی طرف سے عائد کردہ بھاری ٹیکسوں اور کلیسائے مصر کے مظالم نے لوگوں کو ان سے برگشتہ کر دیا تھا وہ بھی عربوں کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے تھے''۔

ٹی۔ڈبلیو آرنلڈ (T.W. Arnold)(31) افریقہ کا ذکر یوں کرتا ہے

"... عرب حملہ آوروں کی سرعت رفتاری سے کامرانی زیادہ تر مقامی عیسائی باشندوں کی طرف سے ان کا خیر مقدم کرنے کی مرہون منت تھی جس کی وجہ صرف ان کی بازنطینی حکمرانوں کے متشدد نظام حکومت سے نفرت نہ تھی بلکہ اس سے بڑھ کر ان سے مذہبی مخالفت کی بنا پر پیدا شدہ بغض تھا"۔

پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن (Prof. E.G. Brown)(32) اپنی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" (Literary History of Persia) میں لکھتا ہے۔

"توحید پرست، مینچن مزدکی (Manichaen, Mazdakite) اور غیر مقلد فارسی فرقوں کے خلاف زرتشت راہبوں کے مذہبی تعصب نے ان کے خلاف گہری اور ہمہ گیر نفرت کو جنم دیا تھا۔ ظلم و تشدد کے شکار لاتعداد ایرانی باشندگان کے دلوں میں مروجہ مذہب کے خلاف حقارت کا غلبہ تھا۔ یہی جذبات حکمرانوں کے متعلق تھے۔ اس صورت حال میں عربوں کی فتوحات کو ذریعہ نجات گردانا گیا"۔

عرب حملے کے وقت سپین

ایس۔ پی سکاٹ (S.P Scott) اپنی کتاب "مورش ایمپائر ان یورپ" (Moorish Empire in Europe) میں اس طرح تصویر کشی کرتا ہے:

ریکارڈ" Reccared اور وامبا Wamba کا جانشین اخلاقی پستیوں میں گر کر انتہائی کمزور ہو گیا تھا۔ وہ محض متنازعہ وراثت کی بنا پر حکمرانی کرتا تھا۔ اس کے نزدیک شاہانہ عز و وقار، رسومات تواضع اور دوستی نبھانے کی رسم کی کوئی حیثیت نہ تھی ناتوانی عمر نے بھی اس کے بے لگام جنسی جذبات کی تسکین کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالی۔ شاہانہ عیاشی کی اس بدترین مثال نے دینی پیشوائی کے نظام کو ہر سطح پر بری طرح متاثر کیا۔ سکاٹ لینڈ کے برطانوی کلیسا کا محل آئے دن کی افراتفری اور نیم شب کی

عیش ونشاط کی بدمستیوں کا نظارہ پیش کررہا تھا۔عوام الناس بھی برائیوں سے پاک نہ تھے۔اعلیٰ قسم کی شرابوں اور مذہبی پیشواؤں کی خوبصورت داشتاؤں کی وجہ سے رسوائی کی تشہیر زبان زدعام تھی۔امرائے مملکت مذہبی جغادریوں کے سامنے سپر انداز ہوگئے تھے۔انتظامیہ پر ان کی مکمل گرفت منافقت پر مبنی دعوی تھا اور جانثاری محض دکھاوا بن کر رہ گئی تھی''۔

روم لانڈو (Rom Landau)(33) اس افسوسناک صورتحال کو یوں بیان کرتا ہے:۔

''طوائف الملوکی ،تشدد واستبداد اور مفلسی کے مارے شہر قرون وسطیٰ کے بدترین جاگیردارانہ نظام کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ یہودی تعداد میں کثیر ہونے کے باوجود محض ستم زدہ اقلیت تھے۔ وہ اس تعصبانہ نظام کی وجہ سے عدم تحفظ کا بری طرح شکار تھے۔ عیسائی مذہبی جغادری ان نام نہاد شرفاء کی حمایت کرکے ان کے ناپسندیدہ اور بدعنوان اقتدار کو برقرار رکھنے میں ان کی پاسداری کرتے تھے''۔

جارج فنلے (George Finlay)(34) اپنی تصنیف ''ہسٹری آف بازنطینی ایمپائر'' (History of Byzantine Empire) میں مندرجہ ذیل چشم کشا مشاہدات کے ذریعے عرب فاتحین کے کردار کو بطور نجات دہندگان واضح کرتا ہے اور لکھتا ہے:۔

''قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی کم وبیش جملہ فتوحات جو مختلف عیسائی اقوام پر حاصل کی گئیں اس کی حقیقی اور تاریخی وجوہات یہ ہیں کہ انہیں بنیادی طور پر عوام الناس کی ایک بڑی تعداد کی

حمایت اور پاسداری حاصل تھی۔ بغور جائزہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے
کہ زیادہ تر عیسائی حکومتوں کی ناکامی اور بدنامی کی وجہ ان کی
عرب فاتحین کے مقابلے میں انتظامی امور میں ازحد تشدد پسندی
تھی اہل شام نے محمد ﷺ پیغمبر اسلام کے ابتدائی حامیوں کو
خوش آمدید کہا، اور کلیسائے مصر کے ماننے والوں نے عربوں
کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے ملک کو ان کے قدموں میں
ڈال دیا، اور اسی طرح بربری عیسائیوں نے افریقہ فتح کرنے
میں ان کی مدد دی۔ ان تمام اقوام نے اپنی حکومتوں سے نفرت
کی بنا پر مسلمانوں کا تابع فرمان ہونا گوارا کیا۔ نام نہاد شرفاء کی
دھوکہ دہی اور لوگوں سے بے رخی نے سپین اور جنوبی فرانس کو ان
مسلمانوں کے لئے ترنوالہ بنا دیا۔ کریٹے اور سسلی کی فتوحات
کے اسباب بھی یہی تھے"۔

"ہسٹری آف ویسٹرن سویلائزیشن" *(The History of Western Civilization)* کے مصنفین مذکورہ بالا نقطہ ہائے نظر کی تصدیق میں لکھتے ہیں:

"..... مزید برآں ہزاروں رومن بازنطینی باشندے مصر، شام اور
فلسطین میں موجود تھے۔ یہودی اور بدعتی عیسائی بطور خاص
مسرت کا اظہار کرتے تھے کہ ان کے بازنطینی آقاؤں کی جگہ
غلامان محمد ﷺ نے لے لی ہے کیونکہ محمد ﷺ کے
پیروکاروں نے ان کے مذہبی عقائد کو برداشت کرنے کا وعدہ کیا
تھا وہ بازنطینیوں کے بھاری ٹیکس کے مقابلہ میں ان سے معمولی
خراج وصول کرتے تھے۔ کلیسائے مصر کے راہب، بے دین

بازنطینی حکمرانوں کے زوال پر خوشی کے نغمے الاپتے تھے"۔

کچھ مغربی مصنفین کا یہ افتراء اور بہتان کہ مسلمان مفتوح رعایا پر زبردستی اسلام نافذ کرتے تھے یوں تردید کی ہے:

مسلمان عرب فاتحین پر ایک الزام یہ ہے کہ وہ مفتوح لوگوں کو طاقت کے زور پر مشرف بہ اسلام کرتے تھے۔ گبن (Gibbon)(35) جیسے نامور تاریخ دان کو بھی مسلم فوبیا نے اپنا ہم نوا بنالیا وہ انتہائی ڈھٹائی سے دعویٰ کرتا ہے کہ

"محمد ﷺ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر اٹھے اور روم اور عیسائیوں کے اقتدار کے کھنڈرات پر اپنا محل تعمیر کرلیا"۔

تاہم گبن (Gibbon) ایک دوسری جگہ خود تسلیم کرتا ہے کہ:۔

"محمد ﷺ پیغمبر اسلام نے اپنے عیسائی شہریوں کی جان و مال، تجارت اور شخصی آزادی کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی آزادی کی بھی ضمانت دی"۔

ایک اور جگہ وہ لکھتا ہے:۔

"مسلمانوں پر ایک زہر آلود تہمت یہ دھری جاتی ہے کہ انہوں نے بزور شمشیر جملہ ادیانِ عالم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ جہالت اور تعصب پر مبنی اس الزام کی تردید نہ صرف قرآن بلکہ مسلم فاتحین کی کارگزاری سے ہوتی ہے۔ انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ ان کے مذہب کے بارے میں عوامی اور قانونی سطح پر رواداری کا ثبوت دیا"۔

سر۔ٹی۔ڈبلیو۔آرنلڈ (Sir T.W Arnold) جس نے تبلیغ اسلام پر سیر

حاصل لکھا۔ اسلام کی وسعت پذیری بزورِ شمشیر کے الزام کی یوں نفی کرتا ہے۔

''یہ حیرت انگیز فتوحات جن سے عرب قلمرو کی بنیاد پڑی۔ اسلام کی وسعت کے لئے لڑی جانے والی کسی مقدس جنگ کا نتیجہ نہ تھیں۔ مسیحیت کے پیروکاروں کی بڑی تعداد اپنے عقائد سے منحرف ہوگئی اس لیے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ مسلمان فاتحین کی کامیابیوں کا مقصد یہی تھا۔ اسی بنا پر مسیحی مورخین نے مسلمانوں کے خلاف تلوار کے ذریعے اشاعت اسلام کا بہانہ تراشا۔ انہوں نے وسعت اسلام کی حقیقی وجوہ کو نظر انداز کر دیا اور مسلمانوں کی تبلیغی کاوشوں کا تذکرہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ عربوں کا جوش و جذبہ جس نے بازنطینی اور فارسی سلطنتوں کو زوال پذیر کیا تبدیلیٔ مذہب کی خاطر نہ تھا۔ اس کے برعکس عرب افواج کے حامیوں کے اذہان میں اپنے مذہبی مفادات کی ترویج کا خیال شاید ہی جاگزین ہوا ہو''۔

وہ آگے لکھتا ہے:۔

''طاقت کے زور پر تبدیلی مذہب کے الزام کی نفی کا اندازہ عیسائیوں اور عرب مسلمانوں کے درمیان پرامن دوستانہ تعلقات سے ہوتا ہے۔ جناب محمد ﷺ نے خود کئی عیسائی قبائل سے معاہدات کیے جن کی رو سے انہیں تحفظ اور مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ان کے کلیسائی نظام میں کوئی دخل اندازی کیے بغیر ان کے پرانے مذہبی حقوق اور اختیارات کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا''۔

ایک اور جگہ وہ لکھتا ہے:۔

''عربوں کی ابتدائی فتوحات کے دوران اس امر کی کوئی شہادت سامنے نہیں آئی کہ تشدد کے ذریعے کسی کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا ہو''۔

فلپ کے۔ ہٹی (Philip K. Hitti) مشرقی عیسائیوں اور یہودیوں کے متعلق بات کرتے ہوئے تسلیم کرتا ہے کہ:۔

''۔۔ اس حیثیت میں ذمی، مالیہ اراضی اور دولت ٹیکس کی ادائیگی کر کے مسلمانوں کی رواداری سے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے۔''

کے۔ ہٹی (K.Hitti) عربوں کے ہسپانوی عیسائیوں کے ساتھ سلوک پر بات کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے:۔

''عیسائی آبادی کے مذہبی عقائد و فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی گئی اور نہ ہی انکے مقامی منصفین کو کلیسائی قانون کے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے کام کرنے سے روکا گیا۔ البتہ ان کو مسلمانون کے درمیان تنازعات کے فیصلے کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح اسلامی سزاؤں میں ملوث افراد کے خلاف مقدمات انکے دائرہ اختیار سے باہر رکھے گئے''۔

''ہسٹری آف ویسٹرن سویلائزیشن'' (History of Western Civilization) کے مصنفین یہ امر تسلیم کرتے ہیں کہ مسلم فرماں روائی کے ابتدائی دور میں بڑی تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے۔ لیکن بعد میں آنے والے

دور میں لوگ بڑی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے مگر وہ بھی اپنی آزاد مرضی سے نہ کہ بزور طاقت۔

''مفتوحہ علاقوں میں اسلام کی ابتدائی فتوحات کی وجہ سے زیادہ بڑی تعداد میں لوگ مسلمان نہ ہوئے۔ بعد میں جب اسلام نے مضبوط اور مستحکم حکمرانی قائم کر لی اور شاندار فتوحات نے اسلام کے عزت و وقار میں اضافہ کر دیا اور مومنین کو کئی مفادات اور شہری حقوق حاصل ہونے لگے تو اس سے غیر مسلموں کو ترغیب ملی اور وہ بڑی تعداد میں رضا و رغبت سے مشرف بہ اسلام ہوئے''۔

ہیری۔ڈبلیو۔ہازرڈ (Harry W. Hazard)(36) لکھتا ہے:۔

''مصر اور شام کے عیسائی جو بازنطینی حکمرانوں اور یونانی قدامت پسندی کے پہلے ہی مخالف تھے آہستہ آہستہ بخوشی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ میری نیٹس (Marinates) اور قبطی عیسائی فرقے صدیوں تک مسلم حکمرانی کے تحت قائم رہے۔ فاتحین نے ایرانی زرتشتوں سے بھی فیاضانہ سلوک روا رکھا۔ وہ سست روی سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ شمالی افریقہ کے بربر اور ہسپانیہ کے عیسائیوں کے علاوہ یہودیوں کو بھی مذہبی آزادی حاصل تھی اور ان میں سے جو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا اُسے خوش آمدید کہا گیا اور دین کے معاملہ میں قطعاً سختی نہ برتی گئی''۔

ایچ۔جی۔ویلز (H.G. Wells)(37) جو اسلام اور نبی مکرم ﷺ کا ایک

کٹر نقاد ہے اسلام کی وسعت پذیری اور اس کے مستحکم ہونے کی وجوہات کا احاطہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے:۔

"اگر قاری اس مغالطہ کا شکار ہے کہ فارس ، روما یا مصری تہذیبوں کے لوگ اس سیلاب میں غرق ہو گئے تو اسے فوری طور پر ان توہمات کو ترک کر دینا بہتر ہے۔ اسلام کی ہر جگہ وسعت پذیری اس کے بہترین سماجی اور سیاسی نظم وضبط کی بنا پر ہوئی۔ اسلام اس لیے پھیلا کہ ہر طرف عوام بے بس۔ ان پڑھ اور جبر و استبداد کے شکار تھے۔ خود غرض اور غیر مستحکم حکومتیں ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی رابطہ نہ رکھتی تھیں۔ اسلام وسیع، جدید ترین اور شفاف سیاسی نظریہ تھا جو دنیا میں مضبوط جڑیں پکڑ کر فعال ہو رہا تھا۔ یہ انسانیت کے لیے دوسرے تمام نظریات حیات کے مقابلے میں بہتر صورت میں پیش ہو رہا تھا"۔

مفتوحہ علاقوں پر زبردستی اسلام کے نفاذ کی بات تو کجا مشرق میں اسلام کی اٹھان نے مغربی تسلط کی موت کا نقارہ بجا دیا اور آہنی بیڑیوں کے بوجھ تلے کراہتی ہوئی انسانیت کو آزادی سے ہمکنار کیا۔ ایک سے زائد مغربی مصنفین نے واضح الفاظ میں اسے تسلیم کیا ہے۔ آرنلڈ ٹوائن بی (*Arnold Toynbee*)(38) کا مشاہدہ ہے:۔

"ساتویں صدی عیسوی میں عرب مسلمانوں نے مسیحی یونان اور روم کے عروج کے دور میں بلاد الشرقیہ میں شام اور شمالی افریقہ سے ہوتے ہوئے ہسپانیہ تک کو آزاد کرا لیا۔ یہ وہ ممالک تھے جو سکندر اعظم کی سلطنت فارس پر فتح اور رومیوں کے کارتھیج کو

شکست دینے سے لے کر قریباً ایک ہزار سال تک یونان وروما کی عملداری اور حکمرانی میں رہے تھے"۔

ساﺅنڈر (Saunder) ان جذبات کی صدائے بازگشت درج ذیل الفاظ میں دیتا ہے:

"تاریخ عالم کے وسیع تر تناظر میں ہم اسمٰعیلؑ کے بیٹوں میں سے محمد ﷺ کو عظیم ترین یوں ممیز کر سکتے ہیں کہ طویل عرصہ تک سکندر اعظم کے تسلط کا شکار مشرق نے جس کو یونانیوں نے ایک ہزار سال سے زیر نگین کر رکھا تھا وہاں سے اس کی بساط لپیٹ دی گئی"۔

مختصراً اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عربوں نے اپنے مفتوحہ لوگوں پر کبھی بھی اپنا مذہب بہ نوک شمشیر نافذ نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس مختلف علاقوں کے لوگ انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ فی الحقیقت عربوں کی فتح ستم رسیدہ اور کچلی ہوئی انسانیت کی فتح تھی جو طاقت ور اور سنگدل حکمرانوں اور پاپائیت کی استبدادانہ غلامی میں جکڑی ہوئی تھی۔ مگر طلوع اسلام کے ساتھ ہی ایک ہی ضرب سے انکی ہاتھ کی زنجیریں اور ان کے پاﺅں کی بیڑیاں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ زمانے بھر میں اسلام خیر اندیشی، خیر سگالی، آزادی اور امن عالم کے عظیم ترین نقیب کی حیثیت سے ابھرا۔ قرآن پاک کی نبی اکرم ﷺ کے کردار کے بارے میں فی الحقیقت واضح پیشین گوئی تھی کہ وہ گم کردہ راہ انسانیت کا بوجھ اتار پھینکیں گے اور اسکے پاﺅں کی بیڑیاں کاٹ کرا سے آزادی سے ہمکنار کر دیں گے۔

قرون اولیٰ کے مسلمانوں اور انکی شاندار فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے روم کا ایک مستشرق لی اون قاتانی (Leone Caetani) (39) اپنی قابل ذکر تصنیف

Annuli Dell Islam میں افسردہ دلی سے یوں رقمطراز ہے:

''وہ جنگجو کون تھے؟ کس نے ان کو بے آب و گیاہ صحراؤں سے نکل کر دنیا کو فتح کرنے کی ترغیب دی؟ وہ ایسے اعجاز آفرین کارنامے کیسے سرانجام دے سکے؟ انہوں نے چند ہی برسوں میں ایسی فتوحات کیسے حاصل کر لیں جو تیرہ صدیوں کی جدوجہد اور طاقتور ہتھیاروں کے باوجود ہماری اعلیٰ تر تہذیب کو حاصل نہ ہوئیں۔ وہ ہمارے عقائد اور تہذیب کے شدید دشمن کو پیچھے نہ دھکیل سکی۔ کہیں یہ تو نہیں کہ ہمارے پاس کسی ایسی چیز کی کمی ہے جو ہمارے دشمنوں کے پاس ہے۔ ناقابل انکار برتری، ایسی پائدار اور توانا کہ ہم تمام تر ترقی کے باوجود اس کو بے اثر نہ کر سکے؟''

قیتانی (Caetaini) کے توہین آمیز انداز فکر سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ جیسے اسلام عیسائیت اور مغربی تہذیب کا بڑا دشمن ہے ایسے ذہنی افتاد کے حامل لوگوں سے جناب پیغمبر ﷺ کی شخصیت کے بارے میں غیر جانبدارانہ رویہ کی توقع قطعاً عبث ہے۔ قیتانی (Caetani) نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ جناب محمد ﷺ کی حیات اور ان کی تعلیمات کی تصویر کشی منفی انداز میں کی جائے۔

صد افسوس کہ یہودیوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پاکدامن والدہ سیّدہ مریم کے کردار اور شخصیت کے بارے میں ایسی بے ہودہ ہرزہ سرائی کی جسے ہم یہاں دہرانے کی جرات بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک نے نہ صرف اس کی تغلیط و تردید کرتے ہوئے ان بے سروپا الزامات کو یکسر مسترد کر دیا بلکہ ان دونوں جلیل القدر اور ذی وقار شخصیات کی عزت و تکریم بحال کر دی۔ بجائے اسکے کہ مسیحی دنیا جناب عیسیٰ و سیّدہ مریم کے متعلق یہودیوں کی یادہ گوئی کی سرکوبی کرنے پر اہل اسلام کی ممنون احسان ہوتی اُلٹا انہوں نے جناب پیغمبر ﷺ اسلام کے خلاف بے بنیاد کینہ پرور اور زہریلے پراپیگنڈے کے سیلاب کے دروازے کھول دیئے۔ یہ قلمی جنگ ابھی تک

پورے جوش وخروش سے جاری ہے۔

یورپین تہذیب کی نشو ونما کے لئے مسلمانوں کی خدمات

اس مفروضہ کے تحت کہ اگر جناب محمد ﷺ قریش کی تلوار کا لقمہ بن جاتے تو عربوں کو بالخصوص اور پوری دنیا کو بالعموم کیسی صورتحال سے دو چار ہونا پڑتا۔ آر۔ باس ورتھ سمتھ (R. Bosworth Smith)(40) نبی مکرم ﷺ کی شخصیت کے دنیا پر اثرات کے بارے میں یوں لکھتا ہے:۔

''یورپ کا سیاہ دور دگنا نہیں بلکہ تگنا طویل ہوتا کیونکہ صرف عرب ہی اپنے آرٹ اور سائنس، زراعت، علم فلسفہ اور فنونِ لطیفہ کی وجہ سے دنیا بھر کی جہالت و جرائم کے اندھیرے میں روشنی پھیلا رہے تھے۔ انہوں نے سپین اور یورپ کو ارشمیدس اور بوعلی سینا دیا۔ الحمرا اور الکذر دیا وہ محض اپنے وطن میں صحرانوردی نہ کرتے رہے۔ مسیحیت جو کہ مشرق میں ایک طویل عرصے سے ضعیف الاعتقادی کا شکار تھی اس سے بھی کہیں زیادہ ناگفتہ بہ حالت میں ہوتی اور اس کا انجام بالکل ویسے ہوتا جیسا کہ حبشہ کا ہے۔ کرہ ارض کے ساتویں حصے پر ستاروں کے پجاری اب بھی ان کی پرستش کر رہے ہوتے اور توہمات اور بدعقیدگی کے شکار لوگ اسی طرح اُن کے جال میں پھنسے رہتے''۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت چار سُو تاریکیوں کی حکمرانی تھی اور دنیا میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ اپنی زور آور شخصیت اور تعلیمات کے ذریعے انہوں نے تاریکیوں کے فسوں کو پاش پاش کر دیا اور انسانیت کو ان عمیق اندھیروں اور جہالت سے باہر نکال کر علم کی روشنی سے منور کیا اور قدرت کے خزانوں پر غلبہ عطا کیا۔ قرآن

میں انہیں سراجِ منیر کے نام سے یاد کیا گیا(سورۃ 46-33) آنجناب ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی مدد سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی سے ہمکنار کر دیا ہے۔(سورۃ 52:9, 65.11)

حضور ﷺ کا تاریخ پر اہم ترین اثر یہ ہے کہ وہ فکر و خیال میں انقلاب لائے اور مسلمانوں کے اندر انہوں نے ایک ایسی روح پھونک دی کہ وہ صدیوں تک علم کے مشعل بردار کہلائے۔مغربی تہذیب کے دو جڑواں مینار یعنی جدید سائنس اور مذہبی معقولیت کی کامیابیاں جناب پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات کی مرہون احسان ہیں۔

آپ ﷺ کے کارناموں کی مدح سرائی میں سید امیر علی (41) اپنی تصنیف ''سپرٹ آف اسلام''(The Spirit of Islam) میں لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ کی آواز نے مُردوں کو حیات بخشی اور انسانیت کی نبض کی رفتار کو زمانے بھر کی طاقت عطا کی۔عربوں کا ان گہرے اور دوررس اثرات کے تحت صحراؤں سے نکلنا عصر حاضر کا معجزانہ واقعہ ہے۔وہ انسانیت کے معلم ثابت ہوئے''

پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کے بغیر مغرب میں نشاۃ الثانیہ اصلاح، معقولیت پسندی اور روشن خیالی وقوع پذیر نہ ہوتی۔

سید ابو الحسن علی ندوی (42) نے اپنی کتاب ''رجالِ نو اور امتِ نو'' (New men - new ummah) میں رقمطراز ہیں:۔

> ''پس اس طرح تاریخ انسانی میں ایک عظیم الشان تبدیلی وقوع پذیر ہوئی۔انسانی اقدار کے اُن بیش بہا خزانوں کو پیغمبر ﷺ نے بے نقاب کر دیا جو ابتدائے آفرینش سے جہالت کی دبیز تہہ کے نیچے چھپے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے انسانیت کو اپنی غیر

معمولی ذہانت اور عقل وفہم کی روشنی سے منور کرتے ہوئے آنے والے زمانوں کے لئے مشعل راہ کر دیا۔ انہوں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کو باور کرا دیا کہ قبل ازیں اُن کی مثال بے زبان ریوڑ کے گلہ بان جیسی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جبلی اور پیدائشی خصوصیات کو ابھارا اور مہمیز کیا اور ان کی حقیقی زندگی کے چشموں کو پہلی مرتبہ جاری وساری کر دیا۔ اور دنیا میں انہیں ثقافتی روشنی کے مینار اور عقائدِ ایمان کے علمبر داروں کی حیثیت سے اونچے مقام پر متمکن کر دیا۔ بہت ہی مختصر عرصہ میں صحرائے عرب نے ایسی عالی مرتبت شخصیات کو جنم دیا کہ تاریخ کے اوراق ان کے ناموں سے اب تک منور ومزین ہیں"۔

سید امیر علی "سپرٹ آف اسلام" (Spirit of Islam) میں لکھتے ہیں کہ:۔

"دنیا کی ہر عظیم قوم کا ایک سنہری دور رہا ہے" یونان کا اپنا پیری کلین (Periclean) دَور رہا ہے۔ روما آگسٹن (Augesten) اسی دور کی وجہ سے ممتاز تھا۔ دنیائے اسلام بھی اسی طرح پر شکوہ دور سے گزری۔ انصاف کی بات ہے کہ اگر منصور کے تخت نشین ہونے سے لے کر معتضد باللہ کی موت تک کے دورانیہ پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو یہ اگر یونان وروما کے عظیم وبرتر ادوار سے زیادہ پر شکوہ نہیں تو ان کے ہم پلہ ضرور تھا۔ پہلے ابتدائی عباسی خلفاء کے دور میں بالخصوص منصور کے عہد حکومت میں مسلمان تہذیب کے علمبر دار کی صورت میں سامنے آئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے عطا کردہ ضابطۂ حیات اور

قومیت کے حاملین عربوں نے مشرق و مغرب کے علم و دانش کا احاطہ کیا اور اسے اپنے مولا و آقا ﷺ کی تعلیمات سے ہم کنار کر کے سپاہی سے دانشور بن گئے۔

ہمبولٹ (Humboldt)(43) کے مطابق عربوں نے مصلح کا کردار ادا کیا اور فرات سے لے کر وادی کبیر دریائے اندلس تک اور اس کے آگے وسطی افریقہ میں آباد اقوام کے رہبر بن گئے۔ ان کے بے مثال اور دانش مندانہ کمالات تاریخ عالم میں ایک اہم باب کی حیثیت رکھتے ہیں"۔

سید امیر علی آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"سپین کے سرحدی پہاڑی سلسلے سے لے کر جبل الطارق تک، پرینس Pyreness سے سٹریٹس Straits تک اور اشبیلیہ، قرطبہ، غرناطہ، مرسیہ Murcia، طلیطلہ اور دیگر اہم مقامات پر یکساں طور پر علمی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ان شہروں میں لائبریریاں اور کالج موجود تھے جہاں پر بلا معاوضہ سائنس و دیگر علوم میں تعلیم کی سہولت فراہم تھی۔ قرطبہ کے متعلق ایک انگریزی مصنف لکھتا ہے کہ یہاں کے پروفیسر اور اساتذہ نے اسے یورپی ثقافت کا گہوارا بنا دیا تھا۔ یورپ بھر سے طلباء یہاں کے اہل دانش سے تحصیل علم کیلئے رجوع کرتے تھے۔ سائنس کے ہر شعبہ میں انتہائی توجہ اور یکسوئی کی ساتھ تعلیم دی جاتی تھی۔ علم ہیئت، جغرافیہ، کیمیاء اور علم الفطرت جیسے فنون قرطبہ میں پوری لگن سے پڑھائے جاتے تھے"۔

رینان (Renan) (44) کے الفاظ میں :۔

"دنیا کے اس مخصوص خطہ میں سائنس اور لٹریچر کی تعلیم دسویں صدی میں اس انداز میں بلا امتیاز دی جاتی تھی کہ دورِ جدید بمشکل اس کی کوئی نظیر یا مثال پیش کر سکے گا۔ قرطبہ کی مساجد جہاں ہزاروں کی تعداد میں طلباء موجود تھے فلسفہ اور سائنس کی تعلیم کے اہم ترین مراکز بن گئیں"۔

امیر علی ایک اور جگہ یوں رقمطراز ہیں :۔

"حقیقت پسندی کی اولین رونمائی مغرب کے ان صوبوں میں وقوع پذیر ہوئی جو مسلم تہذیب کے زیادہ زیر اثر تھے۔ کلیسائیت نے اس گُلِ خوش رنگ کو شمشیر و آتش سے کچل کر رکھ دیا۔ اور اس طرح دنیا کی ترقی کو صدیوں پیچھے دھکیل دیا۔ بہر حال آزادیِ افکار کے اسلامی اصولوں نے مسیحی یورپ کو توانائی بخشی۔ ابی لارڈ (Abelord) (45) نے ابن سینا کے علم و فضل کا جو پوری مغربی دنیا کو منور کر رہا تھا پوری طرح ادراک کر لیا تھا اسلام کی حرمتِ فکر نے کلیسائیت پر اس انداز میں ضرب کاری لگائی کہ عیسائیت کو اسکے شکنجہ سے نجات مل گئی"

درحقیقت ابن ماجہ (۱۱۰۶ء۔۱۱۳۸ء) اور ابن سینا (۹۸۱ء۔۱۰۳۷ء) ہر دو ڈیسکارٹ تھامس ہابز، جان لاک کے پیش رو تھے۔

اے کے بروہی (46) یورپی تہذیب کی ترقی میں مسلمانوں کے کردار کے بارے میں یوں رقم طراز ہے :۔

"قرآن حقیقت پسندی اور حُسن تمیز کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

بالفاظ دیگر یہ امر مبالغہ آرائی پر مبنی نہ ہوگا کہ کلام الٰہی کلی طور پر
انسان کو اُس انداز فکر اور طریقہ کو اپنانے پر زور دیتا ہے جس سے
قاری اپنے اندر آثارِ قدرت کا ادراک کر سکے۔ ان کا مشاہدہ
اور انکے رازوں سے آشنا ہونے کی ہمہ وقت پکار نے ابتدائی
دور کے عربوں کو سائنسی طریقہ کار کا بانی بنا دیا۔ عصرِ حاضر کے
معاشرتی مصنفین کے مطابق عربوں کی سائنس کا وجود ہی نہ تھا
اور یونانیوں نے ہی ہر چیز ہمارے لئے دریافت کی۔ درحقیت
یورپی تہذیب و ثقافت کا اخلاقی اور دانشورانہ انداز میں پھلنے
پھولنے کا ماخذ ان کے دانش وروں کی دریافت کا ثمر نہ تھا۔ بہر
حال آج کل یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں آزاد خیالی
کے نام پر یہی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور یورپ کی نشاۃ الثانیہ کے
متعلق جھوٹی تاویلیں گھڑی اور بیان کی جاتی ہیں''۔

ڈاکٹر رابرٹ بریفالٹ (Dr. Robbert Briffault)(47) نے تاریخی
تجزیہ کر کے اصل صورت حال یوں بیان کی ہے:۔

''یورپ کی حقیقی نشاۃ الثانیہ پندرھویں صدی میں عربوں اور
بربریوں کے زیرِ اثر ہونے والی احیائے ثقافت کی ممنون تھی۔
یورپ کی حیات نو کا گہوارا سپین تھا روم نہیں جو کہ آہستہ آہستہ
بربریت میں غرق ہوتے ہوتے جہالت اور پستیوں کے عمیق
اندھیروں میں ڈوب چکا تھا جبکہ اس کے مقابلے میں دنیائے
اسلام کے شہر بغداد، قاہرہ، قرطبہ، ٹولڈیو (طلیطہ)، تہذیب و
دانش کے ابھرتے ہوئے مراکز تھے ان کی بدولت انسانیت

ارتقاء کے جدید دور میں داخل ہوئی اور زندگی میں نئے ولولہ اور
جوش کے آثار نمودار ہوئے۔ اس امر کا زبردست امکان تھا کہ
عربوں کی عدم موجودگی میں مغربی معاشرہ کبھی یوں ترقی پذیر نہ
ہوتا کیونکہ اس کی نمو کا ایک پہلو بھی ایسا نہیں جس پر اسلامی
تہذیب کے گہرے اثرات نہ ملتے ہوں۔ دور حاضر کی ترقی میں
اسلامی معاشرہ اور اس کے تحت کارفرما جذبہ ہی اس کا بنیادی
کردار ہے اور اس کی قدرتی علوم اور سائنسی دریافتوں کا ماخذ بھی
یہی ہے''۔

بحوالہ رابرٹ بریفالٹ (*Robbert Briffault*) کی تصنیف'' دی میکنگ آف ہیومینٹی'' (*The Making of Humanity*) صفحات 188 تا 190۔

وہ ایک دوسری جگہ واضح انداز میں کہتا ہے:۔

'' سائنس جدید دنیا کے لئے عرب تہذیب کا اہم ترین تحفہ ہے۔
درحقیقت محض سائنس ہی یورپ کی نشاۃ الثانیہ کا باعث نہ بنی
بلکہ اسلامی کلچر کے بے شمار دیگر اثرات نے بھی یورپ کو جلا بخشی''

'' میڈیاول اسلام'' (*Medieval Islam*) کا مصنف گستاف۔ ای۔ وان۔ گرون بام (*Gustav E.Von Grunebaum*)(48) اپنی تصنیف میں لکھتا ہے:۔

'' شاید ہی انسانی تجربات کا کوئی ایسا گوشہ ہو جس میں اسلام نے
مغرب کو مالا مال نہ کیا ہو۔ خوراک، مشروبات، ادویات، زرہ
بکتری، علم نقابت، صنعتی، تجارتی اور بحری صنعت گری اور پھر

فنکارانہ ذوق اور محرکات کے علاوہ علم الہیت کی تراکیب اور
ریاضی ۔۔۔۔۔اگر اسلام کے عطا کردہ برکات کی فہرست تیار
کی جائے تو اس کے لئے کئی صفحات درکار ہوں گے اور پھر بھی وہ
نامکمل رہے گی۔ اسلام نے یورپ کی تاریخ وتمدن کو جلا بخشنے کے
لئے بہت کام کیا۔ مسلمانوں کی داستان گوئی، شاعرانہ تشبیہات،
روحانیت کی منتہا۔ ان سب نے یورپ کی ابتدائی دور پر گہرے
حقیقی اور مادی اثرات مرتب کئے"۔

Maimonides (d, Thomas Aquina
الجزرشد Averroes(d1198 اور 120r)
(۱۱۶۲-۱۱۹۸ء) کے حوالے سے منطق کا اصول اسلامی علم
الکلام اسی پر وضع کرتا ہے اسی طرح "دانتے" فلاسفر پر مسلمان
اہل نظر بالخصوص ابن عربی آف مرسیہ کا احسان ناقابل فراموش
ہے۔ علم نجوم اور کیمیاء گری کے میدان میں اسلام بطور معلم اور
عیسائی دنیا ایک متلاشی طالب علم کی طرح نظر آتی ہے۔ اس
طرح کئی جدید نظریات اور باہمی روابط نے جنم لیا"۔

ایک جرمن سکالر ڈٹشے (Deutsch)(49) مندرجہ ذیل پر جوش دعویٰ کرتا
ہے:۔

"ایسا کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ وہ ایک "مقدس کتاب"
تھی جس کے طفیل عربوں نے سکندر اعظم کی مفتوحہ سرزمین اور
سلطنت روما سے عظیم تر سلطنتیں دسیوں سالوں میں فتح کیں
جبکہ اوالذکر کو انہی فتوحات کے حصول کیلئے سینکڑوں سال

درکار ہوتے۔ اس مقدس کتاب کی مدد سے شامی تن تنہا یورپ
میں بادشاہوں کی طرح داخل نہیں ہوئے بلکہ فونیقی تجار کی
حیثیت سے انسانیت کے لیے مشعل راہ بن کر داخل ہوئے(1)
جبکہ یہودی بھگوڑوں یا قیدیوں کی صورت میں ڈاکہ زنی کی نیت
سے یورپ میں آئے۔ اس دور میں جبکہ ہر طرف گھٹا ٹوپ
اندھیرا چھایا ہوا تھا عربوں نے ہیلاس (Hellas) کے عقل و
دانش اور علم وفن کے مردہ تن کو زندہ کر دیا اور فلسفہ، علم الادویات،
علم الہیئت اور مغرب سے مشرق تک فنون لطیفہ کے سنہری رنگ
بکھیر دیئے اس طرح وہ جدید سائنس کے لئے گہوارا بن
کر نمودار ہوئے تا آنکہ سقوط غرناطہ کے دن کے بعد انہوں نے
سب کو آنسو بہانے کے لئے چھوڑ دیا"۔

مشہور سکالر جارج سارٹن (George Sarton)(50) جو "انٹروڈکشن ٹو ہسٹری آف سائنس" (Introduction to History of Science) جیسی یادگار کتاب کا مصنف ہے مسلم سکالرز کی تخلیقی کاوشوں سے بے حد متاثر ہے۔ وہ یوں رقمطراز ہے:

"بنی نوع انسان کے لیے اصل کارنامہ مسلمانوں نے سرانجام
دیا۔ عظیم فلاسفر الفارابی، عظیم ریاضی دان ابو کامل اور ابراہیم ابن
سینا، عظیم جغرافیہ دان اور قاموس نگار (انسائیکلوپیڈیا ترتیب
دینے والا) المسعودی اور عظیم ترین تاریخ دان الطبری سبھی
مسلمان تھے"۔

1۔ سامی نژاد خانہ بدوش قبائل جو بحیرہ روم کے مشرقی ساحلوں شمالی فلسطین، شام اور لبنان میں آباد تھے۔

جناب پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یورپ کی دانشوری کے ارتقا اور عالمی تہذیب پر گہرے اثرات کی تصدیق ولیم ڈریپر (William Draper)(51) یوں بیان کرتا ہے:۔

''جسٹی نین (Justinian) کی موت کے چار سال بعد ایک
ایسی ہستی نے جنم لیا جس نے نسل انسانی پر اپنے پیش رووں سے
زیادہ دوررس اثرات مرتب کیے اور وہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں''

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اعتراف حقیقت کا تقاضا

ڈاکٹر واٹ (Dr. Watt) لکھتا ہے۔

''فی الوقت جبکہ مسیحی اور مسلمان، یورپین اور عرب، ایک دوسرے کے ساتھ یا مختصر الفاظ میں جبکہ دنیا بھر کے عیسائی اور مسلمانوں کا باہمی اختلاط اور میل جول بین الاقوامیت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اسلام کے یورپ پر اثرات کا بنظر غائر دیکھا، پڑھا اور سمجھا جانا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ کچھ عرصہ سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ قرون وسطیٰ یا قرونِ مظلمہ (Dark Ages) کا مسیحی مصنف اسلام کے تشخص کی اہانت آمیز تصویر کشی کرتا رہا ہے لیکن گذشتہ صدی کے دوران دانشوروں کی کوششوں سے اسلام کے متعلق نسبتاً حقیقت پسندانہ تصور اذہانِ فرنگ میں نمو پا رہا ہے مگر اہل مغرب یورپ کی ثقافت کو اسلام کے ممنون احسان تسلیم کرنے سے قطعی طور پر منکر ہیں۔ بعض اوقات ہم اپنے ثقافتی ورثے میں اسلامی اثر و رسوخ کی اہمیت کو از حد گھٹا کر بیان کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر اسے بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں اور عربوں سے بہتر تعلقات کی خاطر ہمیں کلی طور پر ان کا احسان مند ہونا چاہیے اور اس احسان

منڈی کو چھپانا یا اسے تسلیم نہ کرنا ایک جھوٹی انا کے سوا کچھ نہیں''۔

ڈاکٹر واٹ (Dr. Watt) ایک اور جگہ رقمطراز ہے۔

''میں نے عربوں کی سائنس اور فلسفے میں کامیابیوں کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ اب غیر ضروری نہیں ہے کہ مختصر پیرائے میں یونانیوں کے لئے عربوں کی اعانت کا بیان کیا جائے تاکہ یہ موازنہ ہو سکے کہ دونوں میں عظیم تر کون ہے۔ اگر کسی کو مکمل طور پر عربوں کے تجربات ان کی سوچ اور تحریری صلاحیتوں کا صحیح اندازہ ہو جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ عربوں کی اعانت کے بغیر یورپ کے لیے سائنس اور فلسفہ کے میدان میں اس قدر ترقی کا حصول ناممکن تھا۔ عرب یونانی عقائد کے مبلغ نہ تھے بلکہ وہ خود ان نظریات کے حامل تھے۔ انہوں نے علوم میں دسترس حاصل کی اور خود اس کی ترقی کا موجب بنے۔ جب یورپ کے اندازاً 1100 افراد نے اپنے دشمن مسلمانوں کی سائنس اور فلسفے میں سنجیدگی سے دلچسپی لینی شروع کی۔ اس وقت یہ علوم بام عروج پر تھے اور یورپی اقوام کو اس سے بہرصورت استفادہ کرنا پڑا تاکہ وہ خود ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکیں''۔

ڈاکٹر واٹ (Dr. Watt) ایک اور جگہ رقم طراز ہے'' جب کوئی قرونِ وسطیٰ کی اسلام اور مسیحیت کی مسابقت کو دیکھتا ہے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مسیحی مغرب پر اسلام کا اثر اس سے کہیں زیادہ ہے جو عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔ صرف اس وجہ سے نہیں کہ اسلام یورپ کے ساتھ مادی موضوعات میں شریک رہا یا اس کی تکنیکی دریافتوں کا محرک بنا بلکہ اس نے یورپ کو اپنا جدید تشخص قائم کرنے پر ابھارا۔ چونکہ یورپ کی اسلام کے ساتھ مخاصمت تھی۔ اس لئے اس نے عربوں کی اہمیت کو کم تر کرنے کی کوشش کی اور یونان اور روما کے ورثہ پر انحصار کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ پس آج کے اہل مغرب کے لیے یہ ضروری ہے کہ بین الاقوامیت کے موجودہ دور میں اس

غلط تاثر کی نفی کریں اور عربوں اور اسلام کے احسانات کو کھلے دل کے ساتھ تسلیم کریں''۔

یہ تلخ حقیقت اپنی جگہ پر برقرار ہے کہ اہل مغرب اسلام سے چودہ صدیوں یا اس سے زائد عرصہ میں اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے خلاف موروثی نفرت کو فراموش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔اس کی وجہ عیاں ہے۔عیسائی اور اہل اسلام خطۂ ارض کے بڑے حصے پر بعض اوقات مہلک مبازرت میں الجھے رہے اور کبھی کبھار یہ صورت حال عارضی جنگ بندی یا غیر پائیدار امن کی حامل رہی۔

باب دوم

مختلف مذاہب میں کثیر الازواجیت

ہزاروں سال سے مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں کثیر الازواجیت کا دستور رائج رہا ہے۔ انجیل مقدس کے مطابق کثیر الازواجیت کی سب سے پہلی مثال یہ ہے

''اور Lameth نے دو بیویاں رکھیں ایک کا نام DAH اور دوسری کا نام Zillah تھا (Genesis 4/19)''

جان ڈیون پورٹ (John Davenport) اپنی تصنیف ''دی میسج آف قرآن'' (The Message of Quran) میں لکھتا ہے۔

''قابل احترام بزرگ ابراہم کے دور سے دنیا میں کثیر الازواجیت رائج تھی۔ انجیل مقدس میں متعدد ایسی عبارات موجود ہیں جن کی رو سے کثیر الازواجیت کو گناہ نہیں گردانا گیا۔ کثیر الازواجیت کی قدیم یونانیوں میں بھی اجازت تھی اور Plutarch نے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ اور Uropideo اور افلاطون (Plato) نے کثیر الازواجیت کی حمایت کی ہے۔

رومیوں میں ایک شخص ماری اٹونگ (Mare Autong) کا تذکرہ ملتا ہے جس کی دو بیویاں تھیں۔ شہنشاہ ویلینٹینین (Valentinian) نے اپنی رعایا کو ایک شاہی فرمان کے ذریعے متعدد بیویوں سے شادی کی اجازت دی اور بشپ نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

فرانس کے بادشاہ Clotaire اور اس کے بیٹوں Heribartus اور Hypericus کے علاوہ Pepin اور Charlemagne Lothaire اور اس کے بیٹے (A.C.888) Arnolphus-VII جو جرمنی کا شہنشاہ تھا

Charlemangne کا ایک بیٹا فریڈرک باربروسا اور فلپ تھویڈاٹس (Philip Theodatus) شاہ فرانس سبھی کی ایک سے زائد بیویاں تھیں۔ قیصر (Caesor) کے حوالے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارے آباد و اجداد میں سے ایک بیوی کے بیک وقت 10/12 شوہر ہونے کا رواج بھی تھا۔ حتیٰ کہ پوپ گریگوری نے کہا کہ ایک بیوی کی بیمار ہونے کی صورت میں دوسری شادی کی جاسکتی ہے۔ مسیحیوں میں کثیر الازواجیت کی حمایت میں بہت سی کتب لکھی گئیں۔ سولہویں صدی کے وسط میں Capuchins نے کثیر الازواجیت کی حمایت میں ایک کتاب چھاپی اور تقریباً اسی دور میں Lysarus نے Theophilus کے قلمی نام سے کثیر الازواجیت کے حق میں ایک کتاب شائع کی۔ "Uxar Hebrica" کا مصنف ایلن سیلڈن (Alen Selden) اپنی کتاب میں ثابت کرتا ہے کہ کثیر الازواجیت کی یہود کے علاوہ دیگر تمام اقوام میں بھی اجازت تھی"۔

یہودیت

ہارپر (Harper) کی "بائبل ڈکشنری" (Bible Dictionery) میں درج ہے۔

"عہد نامۂ قدیم کے دور میں متعدد شادیوں کی اجازت تھی۔ قانون توریت (Deutronomic law) نے بھی کثیر الازواجیت کو ممنوع قرار نہیں دیا۔ داشتاؤں، لونڈیوں اور ثانوی بیویوں کی صورت میں کثیر الازواجیت رائج الوقت تھی۔ ابراہیم، یعقوب اور یوسف علیہم السلام جیسے قبیلہ کے سرداروں کی ایک سے زائد بیویاں تھیں۔ اور پیغمبر داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام جو بادشاہ بھی تھے سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر متعدد بیویاں رکھتے تھے"۔

جان میکنزی کی "ڈکشنری آف بائبل" (John Machenzi,s

(Dictionary of Bible) میں درج ہے:۔

''داشتائیں رکھنا رواجاًاور کسی حد تک قانوناً جائز ہونا ثابت ہے''۔

یہودی مصنف ابراہم لیون ساچر(Abram Leon Sacher)اپنی کتاب ''ہسٹری آف جیوز''(History of Jews)میں لکھتا ہے۔

''قرون وسطیٰ میں ربی جرشوم Rabbi gershom کے فرمان جاری ہونے تک کثیر الازواجیت قانوناً ممنوع نہ تھی۔ کسی شخص کو اتنی عورتوں سے شادی کی اجازت تھی جنکی وہ کفالت کر سکتا ہو''

مشہور عالم مصنف ایڈورڈ ویسٹر مارک۔ (Edward Westermark) (52) اپنی تصنیف ''ہسٹری آف ہیومن میریجز'' (History of Human Marriages) میں یوں رقم طراز ہے:

''تاریخ کی رو سے یہودیوں میں سرداری نظام کے دوران داشتہ پروری اور کثیر الازواجیت کی اجازت تھی۔ اس کا رواج اتنا عام تھا کہ قانون نے بھی اس کی ممانعت نہ کی۔ ضابطہ تالمود (توریت کی مستند تفسیر) نے کثیر الازواجیت کے حق کو 4 جائز بیویوں کی حد تک محدود کر دیا''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ شادی کی۔

۱۔ ان کی پہلی بیوی کا نام سارہ تھا۔ اور پیغمبر اسحاق علیہ السلام ان کے عقد نکاح سے تولد ہوئے۔(GENESIS 17/15-16)

۲۔ ان کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہ تھیں جن کے عقد نکاح سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تولد ہوئے(GENESIS 16/1-4).

۳۔ ان کی تیسری بیوی کا نام کیشوراہ تھا جنہوں نے انکے بیٹوں ضمران، جوک، شان۔ می دان ۔ مدیان، اشباک اور شواہ کو جنم دیا۔ (Genesis 25/1-2)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ عہد نامہ قدیم میں ایک اور مقام پر کیشوراہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیز ظاہر کیا گیا ہے۔ (Cronicles 32)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مندرجہ ذیل چار بیویاں تھیں۔

۱۔ Leah (Genesis 29/23) جس نے چھ بیٹوں کو جنم دیا جنکے نام Reuben(i)، Simeon(ii)، Levi(iii)، Judah(iv)، Is-sa-char(v) اور Zebulum(vi) تھے (Genesis 29/32 to 35) اور (Genesis 30/18-19-) انہوں نے Dinah نام کی ایک لڑکی کو بھی جنم دیا (Genesis 30/ 1)

۲۔ راحیل (Genesis 29/18) کے بطن سے ایک بیٹا یوسف علیہ السلام تولد ہوئے (Genesis 30/25)

۳۔ تیسری بیوی Bil-Hah (Genesis 30/4) اس کے بطن سے دو بیٹے Dan اور Naph-Ta-Li پیدا ہوئے (Genesis 30/5&8)

۴۔ چوتھی بیوی کا نام Zilpah تھا جس نے دو بیٹوں Gad اور Ascher کو جنم دیا۔ (Genesis 30/11&12)

پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چار مرتبہ شادی کی۔

۱۔ پہلی بیوی کا نام صفورا تھا (Exodus 2/21) جس کے بطن سے Ger-Shom نامی بیٹا پیدا ہوا (Exodus 2/22)

۲۔ دوسری بیوی کا نام جعشیاہ تھا (رحمۃ اللعالمین جلد دوئم صفحہ 129)۔

۳۔ ان کی تیسری بیوی کا نام کتابوں میں کہیں نہیں ملتا مگر وہ Ken-ite کی بیٹی تھی (Judges 1/16)

۴۔ انکی چوتھی بیوی کا نام He-Ber تھا (Judges 4/11)۔

توراۃ کے مطابق پیغمبر داؤد علیہ السلام کو اللہ نے قیدی عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دی۔ (Deuteronomy-21/10-13)

(10) جب تو اپنے دشمنوں سے جنگ کے لیے آگے بڑھے اور تیرا خدا انکو تیرے ہاتھوں میں دے دے اور تم ان کو قید کرلو۔

(11) اگر ان میں سے کسی خوبصورت عورت کو اپنی بیوی بنانے کی خواہش ظاہر کرو۔

(12) تب اس کو گھر میں لے آؤ اور وہ اپنا سر منڈوا لے اور اپنے ناخن کٹوا ڈالے۔

(13) وہ عورت اپنا قیدیوں والا لباس اتار دے اور تیرے گھر میں رہے اور اپنے باپ اور ماں کا پورا مہینہ ماتم کرے۔ اسکے بعد تو اس میں مدخول ہو جا اور اس کا خاوند بن جا اور وہ تیری بیوی بن جائے"۔

عہدنامہ قدیم کی مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ انکی متعدد بیویاں اور کنیزائیں تھیں جن سے پیغمبر علیہ السلام کے بہت سی اولاد تھی۔

"اور داؤد پیغمبر جب ہیبرون سے یروشلم آئے تو ان کی کئی داشتائیں اور کئی بیویاں تھیں۔ جن سے ان کے کئی لڑکے، لڑکیاں تولد ہوئیں۔ ان کے نام اس طرح ہیں۔

Shammu-Ah(i) Sho-Bab(ii) Na-Than (iii) سلیمان(iv) Ibhar(v) El-I-Shu-A (vi) Ne pheng(vii)-

E-Li-A-Da(x) E-Lish-A-Ma(ix) Ja-Phi-A (viii)

(5/13-16 Samuel 11)E-Liph-A-Let(xi)

ان کی بے شمار بیویوں میں سے عہد نامہ قدیم میں کم از کم 9 کے نام ملتے ہیں۔

(i A-Hin-O-Am اور اس کے بطن سے بیٹا Am-Non پیدا ہوا

(3/2-Samuel 11)

(ii Ab-I-Gail کے بطن سے Chil-E-Ab بیٹا پیدا ہوا

(3/3-Samuel 11)

(iii Ma-A-Cha بر Tal-Mai (جو کہ Ge-Shur کا بادشاہ تھا کی بیٹی تھی اسکے بطن سے Ab-Sa-Lom نامی بیٹا پیدا ہوا۔

(11-Samuel 3/2)

(iv Hag-Gith نے ایک بیٹے Ad-O-Nigah کو جنم دیا۔

(3/4-Samuel 11)

(v Ab-I-Tal جس نے ایک بیٹے Sheph-A-Ti-Ah کو جنم دیا

(3/4 Sameul 11)

(vi Eglah جس نے Ilh-Re-Am نامی بیٹے کو جنم دیا۔

(3/5 Samuel 11)

(vii بتشیبا اوریا کی بیوی تھی اور پیغمبر داؤد علیہ السلام نے اسے بلایا اور اس کے ساتھ ہمبستری کی جس سے وہ حاملہ ہوگئی پھر اوریا کی وفات کے بعد پیغمبر داؤد علیہ اسلام نے اس سے شادی کر لی اور اس نے ان کے ایک بیٹے کو جنم دیا (11 سیموئیل 2/27 Samuel)

(viii اگلہ Eg-Lah اس بیوی سے ان کا بیٹا اتھریم Ithream پیدا

ہوا۔ (کرونیکل 1 Chronicle 3/3)

ix) باشوعا Bath-Shu-A پیغمبر داؤد علیہ السلام کی اس بیوی نے چار بیٹوں کو جنم دیا۔ جس میں پیغمبر جناب سلیمان علیہ السلام بھی شامل ہیں جو بادشاہ بھی تھے۔ (کرونیکل 1 Chronical-3/5)

پیغمبر داؤد علیہ السلام کی داشتاؤں کے بطن سے کئی بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئے۔ ایک بیٹی کا نام Ta-Mir تھا (کرونیکل 1 Chronicle 3/9)

جب حانوح بادشاہ بنا (سیموئیل 1-Samuel 10/1) تو وہ پیغمبر داؤد علیہ السلام کی 10 داشتاؤں سے ناخوش ہوا اور انہیں جلاوطن کر کے جیل میں ڈال دیا حتی کہ انکو موت آ گئی (سیموئیل 11 Samuel 20/3)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر اور عظیم بادشاہ تھے۔ عہد نامہ قدیم میں انکی کنیزوں اور بیویوں کی تفصیل اسی طرح سے مندرج ہے۔

''بادشاہ سلیمان نے فرعون Pharaoh کی بیٹی کے علاوہ Moabites، Ammonites، Zido-Ni-Ans اور Hittiates کی خواتین کے علاوہ بہت سی دیگر اجنبی عورتوں سے پیار کیا۔ ان کی سات سو بیویاں، شہزادیاں اور تین سو کنیزیں تھیں۔ ان کی بیویوں نے انکا دل توڑ دیا۔'' (1-King 11/1&3)

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ پیغمبر سلیمان علیہ السلام کے بیٹے Re-H0-Baan کی 18 بیویاں اور 60 کنیزیں تھیں (11Chronicle 11/21)

قرآن مجید بھی سابقہ پیغمبروں کی کثیر الازواجیت کی تصدیق کرتا ہے۔

ہندومت

ویدک دور کے ہندوستانیوں میں کثیر الازواجیت کا چلن رگ وید اور دوسری مذہبی تحریروں سے حتمی طور پر ثابت ہے۔

ارتھ شاستر۔ Smytis اور دیگر مذہبی اشلوک میں یہ اصول طے کیا گیا ہے کہ آدمی اپنی ذات (برادری) سے بیویاں رکھ سکتا ہے جو بشمول یا بلاشمول سُدرا (Sudra) ہوسکتی ہیں جن میں سے وہ عورت جو اس کی ذات (برادری) کی ہو وہ سب سے ارفع اور دھرم پتنی کہلاتی ہے۔ جسکے ساتھ مل کر خاوند اپنے مذہبی فرائض ادا کرتا ہے۔ رزمیہ شاعری میں ہیرو اور برہمنوں کی بہت سی بیویوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے ایک خاتون اول ہوتی ہے۔ ذات یا جاتی کی بنا پر ان بیویوں کے درمیان ایک دوسرے پر مقدم ہونے کا اصول ان سے شادیوں کی تاریخ کے مطابق طے ہوتا ہے۔ تاہم اس سے انحراف کا حق خاوند کو ہوتا ہے۔ اور وہ کسی بھی پہلے درجہ پر فائز بیوی کو اسکے مقام سے گھٹا یا گرا سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی نئی بیوی سے جس سے وہ شادی کر رہا ہے پہلے درجہ پر فائز زوجہ کو اسکی برابری کا درجہ دے دیتا ہے۔ موجودہ رواج کے مطابق خاوند جتنی چاہے شادیاں کرسکتا ہے۔ اور اسکے لئے اسے کسی جواز یا توجیہہ یا پہلے سے موجود بیویوں سے اجازت کی ضرورت نہ ہے۔

ہندو مت کی مقدس مذہبی کتب کے مطابق نہ صرف یہ کہ ہندوازم میں کثیر الازواجیت کی اجازت ہے بلکہ ایک آدمی عورت کو داسی بنا کر اس سے اولاد پیدا کرسکتا ہے (رگ وید XI)۔

اس ریت یا رسم کو ''نیوگا'' کہتے ہیں اور یہ مقررہ مدت کے لیے ہوتی ہے جس کے اختتام پر یہ تعلق خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

رگ وید (45, 85,X) کا یہ قول قابل غور ہے:۔

> ''اور تم جو کہ افزائش نسل یا بچہ جننے پر قادر ہو اور مضبوط ہو۔ ان شادی شدہ عورتوں سے یا بیوہ خواتین جن سے تم نے ''نیوگا'' کر رکھا ہے سے نسل کشی کرو۔ ان سے اچھے بچے پیدا کرو

اور انہیں خوش رکھو۔

اے عورت۔ ''نیوگا'' کے ذریعے اپنے خاوندوں کے نطفے سے
10 بچوں تک نسل کشی کر''۔

76, IX Manu میں یوں تحریر ہے:۔

''اگر کسی کی بیوی سے بیٹا پیدا نہیں ہوتا تو ''نیوگا'' کے ذریعے کسی دیگر عورت سے بیٹے پیدا کر سکتا ہے۔ (''ستیارتھ پرکاش'' صفحہ 153)

58, IX Manu کی رو سے ''نیوگا'' دو یا چار بچوں کے پیدا ہو جانے کے بعد ختم ہو جائے گا۔ انسائیکلو پیڈیا (Encyclopedia) مندرجہ بالا۔ صفحہ 152
76-IX Manu میں مندرجہ ذیل تحریر ملاحظہ کریں:۔

ارتھ شاستر کے باب اول میں عظیم بادشاہ ہیسو ریس A-Has-U-E-Rus کا ذکر ملتا ہے جسکی حکومت ہندوستان سے حبشہ تک تھی، اسکی قلمرو 20 صوبوں اور ایک سو سات سے زائد شہروں پر مشتمل تھی۔ ایک مرتبہ بادشاہ اپنی ملکہ واش ٹی (Vash-Ti) سے ناراض ہوا تو ایک حکومتی فرمان کے ذریعے اسے حاضری سے ہمیشہ کے لیے محروم کرتے ہوئے جلاوطن کر دیا۔ اسی کتاب کے باب دوئم میں لکھا ہے کہ اس کی خواب گاہ میں شام کے وقت بہت سی کنیزائیں ایک ایک کر کے اندر گئیں اور صبح واپس لوٹیں اور بالآخر ایستھر (Esther) نام کی عورت جو اب آئی ہال (Ab-I-Ha-Il) کی بیٹی تھی بادشاہ کے سونے کے کمرے میں گئی اور وہ اس سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے دیگر عورتوں پر ترجیح دے کر اپنا شاہی تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ اور واش ٹی (Vash-Ti) کی جگہ اسے ملکہ منتخب کر لیا (2/17 باب دوئم)۔

پس یہ امر ثابت شدہ ہے کہ داشتہ گیری ایک رواج کے طور پر صرف زمانہ قدیم کے ہندوستانی فرماں رواؤں میں موجود تھی۔ بلکہ ہر کہ ومہ اسے قبول کر کے اس پر عمل

پیدا ہو جاتا تھا۔

مسیحیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تجرد کے قائل نہ تھے ان کی تعلیمات میں کسی جگہ متعدد شادیاں کرنے یا کنیزیں رکھنے پر کوئی تنقید موجود نہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زندگی کے بارے میں ایک تمثیل موجود ہے کہ انہوں نے خود ایک موقع پر کثیر الازواجیت کو روا رکھا۔ بائیبل کی مندرجہ ذیل بیان کردہ روایت قابل غور ہے۔

۱) اور تب آسمانی باپ نے دس کنواریوں کو جو اپنے چراغ لے کر اپنے دولہا کو ملنے کے لیے آگے بڑھیں، پسند کیا۔

۲) ان میں پانچ عقلمند اور پانچ بیوقوف تھیں۔

۳) بیوقوف اس لئے کہ اپنے چراغ تو ساتھ لے گئیں لیکن ان کے پاس تیل نہیں تھا۔

۴) لیکن عقلمند کنواریاں اپنے چراغوں کے لیے اپنے برتنوں میں تیل ساتھ لے گئیں۔

۵) اس دوران دولھا انتظار کرتا رہا اور وہ سب سوگئیں اور نیند ان پر غالب آ گئی۔

۶) اور آدھی رات کو ایک آواز گونجی۔ غور سے دیکھو، دولہا آ رہا ہے۔ باہر جا کر اس سے ملو۔

۷) تمام کنواریاں اٹھیں اور اپنے اپنے چراغ درست ترتیب میں کر لئے۔

۸) بے وقوف کنواریوں نے عقلمند کنواریوں سے کہا ہمیں اپنے تیل سے کچھ تیل دیدو۔ کیونکہ ہمارے چراغ روشن نہیں ہیں۔

۹) لیکن عقلمند کنواریوں نے جواب دیا یہ ممکن نہیں، ہوسکتا ہے ہمارا تیل ہمارے لیے ہی کافی نہ ہو، بہتر ہے تم تیل بیچنے والوں کے پاس جاؤ اور اپنے چراغوں کے لیے کچھ تیل خریدلو۔

۱۰) اسی دوران جب وہ تیل خریدنے کے لیے باہر گئیں، دولہا آ گیا اور وہ جو تیار تھیں، دولہا سے شادی رچانے اندر چلی گئیں اور کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔

۱۱) ازاں بعد بیوقوف کنواریاں بھی آ گئیں اور کہا۔ اے فرماں روا۔ اے حاکم، ہمارے لیے دروازہ کھولو۔

۱۲) اور لارڈ نے جواب دیا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔

(25/1-12 St. Mathew متی)

بائبل کے مختلف تبصروں اور تشریحات کے مطابق آنے والا دولھا یسوع مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے چند ایسے واقعات جس میں جنسیت کی حقیقت بیان کی گئی ہے واضح طور پر آشکار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے عورت کے متعلق خالصتاً منفی رائے سے نفرت کا اظہار کیا ہے اور حضرت مسیح کی رائے عورتوں کے بارے میں مثبت تھی۔ منصفانہ اعتدال پسندانہ اور صحت مند رائے۔

ایڈورڈ ویسٹر مارک (Edward Westermark) اپنی تصنیف ''ہسٹری آف ہیومن میرج'' (History of Human Marriage) میں لکھتا ہے:

قبائلی عہد کے یہودیوں میں کثیر الازواجیت اور داشتائیں رکھنے کا رواج موجود تھا۔

مسیحی دنیا میں شادی سے متعلق موجود قوانین جناب یسوع مسیح کی تعلیمات کا حصہ نہ ہیں۔ بلکہ یہ سینٹ پال کے پیش کردہ عقائد سے اخذ کردہ ہیں۔

ایڈورڈ ویسٹر مارک (Edward Westermark)، انسانی شادیوں سے متعلق ابتدائے مسیحیت کی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

''سینٹ پال مجرد زندگی کو شادی پر فوقیت دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ جس نے اپنی کنواری بیٹی کی شادی کی اس نے اچھا کیا اور جس نے اپنی بیٹی کی شادی نہ کی اس نے زیادہ بہتر کیا۔ (Cornthians 1 باب VII ایت 38)

اوریجن (Origen) شادی کو لادینی اور ناپاک عمل سمجھتا ہے۔

ٹرٹولین (Tertulian) نے کہا کہ ''اگر بنی نوع انسان ایک چھوٹے کلیسائی حلقے تک بھی محدود ہو کر رہ جائے تو تجرد کو اپنانا چاہیے۔ لیکن بتدریج جب تجرد یا کدامنی تصور ہونے لگا اور بے عیب اور کامل خدائی تک پہنچنے کا نزدیک ترین راستہ گردانا گیا تو یہ نظریہ کہ ازدواجی زندگی پاپائیت سے ہم آہنگ نہیں عمومیت اختیار کر گیا''۔

شادی سے متعلق سینٹ پال کے نظریات کی ایک جھلک مشہور سکالر لیکی (Lecky) کی تصنیف ''ہسٹری آف یورپین مارلز'' (History of European Morals) میں نظر آتی ہے:۔

''شادی سے اجتناب، یا شادی میں ملاپ سے اجتناب تقدس کا ثبوت تصور کیا جاتا تھا اور شادی کو انتہائی غیر مہذبانہ اور تحقیر آمیز نظروں سے دیکھا جاتا تھا''

جی۔ سمپسن (G. Simpson)(54) اپنی کتاب ''جنس اور دین'' میں ایک جگہ پر لکھتا ہے:

''قدیم مسیحت کی راہنمائی کرنے والی موثر طاقت جو رہبانیت کی طرف لے جاتی تھی۔ اس پر سینٹ پال نے عمل کیا''۔

لیکن ارباب کلیسا کے اس انسانی جبلت کو دبا دینے کا انتہائی مہلک ردعمل ظاہر ہوا۔ فطرت نے اپنا آپ منوالیا اور تجرد کی قسمیں بلا خوف عقوبت ٹوٹ گئیں اور پادری انتہائی

رسوا کن جنسی حرکات کے جی بھر کر مزے لیتے رہے''۔

ویسٹر مارک (Westermark) اپنی کتاب ''مغربی تہذیب میں شادی کا مستقبل'' (The Future of marriage in Western Civilization) میں لکھتا ہے:

''مختلف مواقع پر لوتھر (Luther) کثیر الازواجیت کو خصوصی برداشت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اس پر کوئی امتناع یا پابندی نہیں لگائی، حتیٰ کہ ابراہم جو کہ ایک ''کامل عیسائی'' تھا کی دو بیویاں تھیں۔ مخصوص حالات میں ایسی شادیوں کی اجازت دی تھی۔ کچھ عیسائی فرقے ایسے ہیں جنہوں نے کثیر الازواجیت کی وکالت بھی کی ہے۔ سال 1531 میں اصطباغ (بپتسمہ) کرنے والے منسٹر (Munster) کے مقام پر کھلے عام تبلیغ کرتے تھے کہ جو سچا مسیحی بننا چاہتا ہے اسے کئی بیویاں رکھنی چاہیں۔ مارموز (Mormons) فرقہ کے صاحب حیثیت لوگوں پر کثیر الازواجیت تاکیداً فرض کر دی گئی تاکہ دنیاوی طور پر سکون مل سکے اور ذاتی مفادات کی حفاظت ہو سکے''

ویسٹر مارک (Westermark) ایک اور جگہ لکھتا ہے:

''کثیر الازواجیت کی طرف واپسی یعنی مخالف جنسوں کے مابین فطری تعلقات کا قیام بہت سی برائیوں اور گناہوں سے بچنے کا مداوا ہونگے۔ طوائف بازی، جنسی امراض، اسقاط حمل، ولد الزنا بچوں کی مصیبت اور پریشانی، لاکھوں غیر شادی شدہ خواتین کی بدقسمتی، جو مخالف جنسوں کے مابین عدم تناسب اور عدم توازن کا نتیجہ تھی۔ بدکاری اور حتیٰ کہ بدگمانی جیسی لعنت سے نجات۔ ایک نظر انداز بیوی اس تصور سے ہی پرسکون رہے گی کہ اس کا خاوند اس سے اخفا اور دھوکہ نہیں کر رہا ہے''۔

اسلام

زمانہ قبل از طلوع اسلام میں عربوں میں ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا رواج موجود تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدامجد جناب عبدالمطلب کی چھ بیویاں تھیں۔ صفیہ بنت جنیدب۔ فاطمہ بنت عمرو۔ لبنیٰ بنت حاجر۔ ہالہ بنت وسیب۔ تنیلہ بنت خیاب۔ منعمتہ بنتِ عمرو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی رفقاء کثیر الازواجیت کی زندگی گزار رہے تھے۔ مختلف اوقات میں قرآنی احکامات کے نازل ہونے کے بعد مومنین نے بیک وقت بیویوں کی حد کی پابندی کے تحت بقیہ کو ان کے حقوق کی بہتر حفاظت کے لیے آزاد کر دیا۔

اسلام میں اصولاً تو ایک بیوی رکھنے کا اصول نافذ ہے مگر مخصوص حالات میں کثیر الازواجیت کی اجازت ہے۔ اسلام میں شادی کا تصور دیگر تمام مذاہب سے مختلف ہے۔ شادی اسلام میں ایک ایسا معاہدہ ہے جس پر فریقین برضا ورغبت عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اسلام کثیر الازواجیت کا حکم نہیں دیتا۔ بلکہ اس پر معقول اور منصفانہ پابندیاں لگاتا ہے جیسے کہ آگے بیان کردہ آیات قرآنی سے واضح ہوگا۔ اس موضوع پر سب سے پہلا حکم قرآنی جس کی رُو سے عورتوں سے شادیوں کو چار تک محدود کر دیا گیا۔ سورت النساء کی آیت نمبر 3 میں نازل ہوا۔ یہ مدنی سورت مبارکہ ہے۔

''اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں۔ دودو اور تین تین اور چار چار۔ پھر اگر ڈرو کہ دو بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔ یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو۔ یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو''۔

اس آیہ مبارکہ کے نزول سے پہلے ان گنت بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔

مندرجہ بالا آیت کے بغور مطالعہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی پر پابندی کا حکم دراصل عورتوں سے منصفانہ اور مساوی برتاؤ کرنے کے مقصد کے حصول کے لیے دیا گیا۔ اور یہ اللہ کی نظر میں تقریباً ناممکن تھا۔ مخصوص حالات میں مومن کو اس صورت میں کہ پہلی بیوی شدید مہلک بیماری میں مبتلا ہو اور حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ رہے یا پھر پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہو اور مستقبل قریب میں بھی اولاد پیدا ہونے کی امید نہ ہو تو خاوند دوسری شادی کرسکتا ہے۔ اس صورت حال میں خاوند کو شرعی و قانونی اجازت ہوگی کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کر سکے۔

اگر فریقین کے درمیان سخت نفرت پیدا ہو جائے اور وہ اکٹھے نہ رہ سکیں تو قرآن پاک کے پارہ چہارم کی بیسویں آیت (سورۃ النساء) میں پہلی بیوی کو طلاق دینے کی اس صورت میں اجازت دی گئی کہ حق مہر کی رقم جو بیوی کو ادا کر دی گئی خواہ کتنی بڑی رقم ہی کیوں نہ ہو، خاوند اسکی واپسی کا مطالبہ نہ کرے گا۔ آیت مبارکہ درج ذیل ہے۔

"اور اگر تم ایک عورت کی جگہ دوسری کو بدلنا چاہو اور ایک کو بہت
سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم اس
سے ناحق اور صریح گناہ مول لینا چاہتے ہو"۔

اسلام میاں بیوی کے درمیان باہمی عزت اور پیار کو پروان چڑھانے میں یقین رکھتا ہے اور ازدواجی تعلقات کو میاں بیوی کی زندگیوں کے اختتام تک برقرار رکھنے کا حامی ہے۔ تاہم باہمی اختلاف کی صورت میں جب نباہ کی صورت انتہائی ناقابل برداشت ہو جائے تو بیوی کو قرآن پاک کے باب چہارم کی آیت 120 کے مطابق خاوند سے طلاق حاصل کرنے کا حق ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

"اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے لڑنے سے ڈرے یا جی بھر جانے سے ڈرے

تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح صلح کرلیں اور صلح خوب چیز ہے اور دلوں کے سامنے حرص موجود ہے اور اگر تم نیکی کرو اور گناہ پرہیز گاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے"۔

اگر ہم اس آیت مبارکہ کا مطالعہ آیت نمبر 129 (سورۃ النساء) کے ساتھ ملا کر کریں تو بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ بیوی کو بے یارومددگار نہ چھوڑا جائے کہ وہ خاوند کے رحم وکرم پر رہ جائے۔

"اور ہرگز نہ کرسکو گے تم کہ برابری کرو درمیان عورتوں کے اگر چہ حرص کرو تم، پس نہ جھکو تم، پورا جھکنا کہ چھوڑ دو اس کو مانند ادھر لٹکتی ہوئی کے اور اگر سنوارو اور بچو ظلم سے بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان"۔

مسلمان زوجین کے درمیان تعلقات سے متعلق بنیادی ہدایات، نبی ﷺ پر بھی نافذ تھیں۔ مگر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس کے قبل ہی نبی ﷺ رب العزت کی خصوصی اجازت سے متعدد شادیاں کر چکے تھے۔ قرآن پاک کے بائیسیوں پارے کی آیت نمبر 50 (سورۃ الاحزاب) ملاحظہ فرمایئے۔

"اے نبی ﷺ! ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں۔ تمہاری وہ بیویاں جن کو تم مہر دو۔ اور تمہارے ہاتھ کا مال کنیزیں جو اللہ نے تمہیں غنیمت میں دیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی اور ایمان والی عورت اگر اپنی جان نبی ﷺ کی نذر کرے۔ اگر نبی اسے نکاح میں لانا چاہے یہ خاص تمہارے لیے ہے امت کے لیے نہیں"۔

ایک ایسا ہی تعدد الازواج کا استحقاق جناب پیغمبر داؤد علیہ السلام کو بھی اللہ نے عطا کیا جیسا کہ انجیل (Deuteronomy 21/10-13) سے ثابت ہے۔

اُمہات المومنین کو قرآن نے خصوصی حیثیت اور عالی مرتبے سے سرفراز کیا۔ جیسا کہ قرآن پاک کی سورۃ الاحزاب کی آیت 32 میں مذکور ہے۔

"اے نبی کی بیویو! تم ایسی نہیں ہو جیسے ہر عورت۔ اگر تم ڈر رکھو، سو تم نرم لہجے میں بات نہ کرو۔ جس کے دل میں روگ ہے وہ تمہاری جانب سے حریص نہ ہو اس لیے تم معقول بات کہو"۔

تاہم ازواج مطہرات کو ان کے ارفع مرتبہ کی وجہ سے رب العزت نے اعلی معیار کا پابند کر دیا گیا اور ان تمام شرائط جو سورۃ الاحزاب کی آیات نمبر 33 اور 34 میں بیان کی گئیں پر عمل پیرا ہونے کا پابند کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔

"اور اپنے گھروں پر قرار پکڑو اور بے حجابانہ نہ پھرو جیسے پہلے جاہلیت کے وقت کا دستور تھا۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے پراگندگی بہت دور کرے۔ اے نبی کے گھر والو اور تم کو پاکی سے پاکیزگی عطا فرمائے"۔

"اور یاد کرو جو تمہارے گھر میں اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور عقل و فراست کی باتیں کی جاتی ہیں۔ بے شک اللہ بھید جاننے والا خبردار ہے"۔

اُنہیں امہات المومنین قرار دیا گیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فانی دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد بھی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کو ہمیشہ کے لیے شادی کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ذیل کی دو آیات صورت حال بہتر طور پر واضح کرتی ہیں۔

''پیغمبر علیہ السلام ایمان والوں کو اپنی جان و مال سے بھی قریب تر ہیں۔ اور ازواج النبی ایمان والوں کی مائیں ہیں۔ اے نبی ﷺ سوائے ان لوگوں پر جن پر آپ مہربانی یا کرم کرنا چاہیں، کسی دوسرے عقیدہ و ایمان رکھنے والوں اور مکی مہاجروں سے، اللہ کے قانون کے تحت ایمان رکھنے والے خونی رشتہ دار ایک دوسرے کے قریب تر ہیں۔ یعنی مسلمان/مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور یہی قدرت کی کتاب میں لکھا ہے''۔

''اے وہ جو ایمان لائے ہو نبی ﷺ کے گھر میں (رہائش میں) کھانے کے لیے داخل ہونے کی عجلت نہ کیا کرو۔ اور انتظار کرو حتیٰ کہ تمہیں اندر داخلے کی اجازت مل جائے۔ لیکن اگر آپ کو دعوت دی گئی ہے، داخل ہو جاؤ اور جب کھانا ختم کر چکو یا کھا چکو تب واپس نکل جاؤ۔ گفتگو کو طوالت مت دو۔ اس سے پیغمبر ﷺ کو جھنجھلاہٹ اور پریشانی ہو سکتی ہے اور وہ لحاظ کی وجہ سے تمہیں چلے جانے کا کہہ بھی نہیں سکیں گے۔ لیکن اللہ کو سچ کہنے پر کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے۔ اور جب آپ ازواج النبی سے کوئی چیز پوچھیں تو پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر پوچھیں کیونکہ یہ آپ کے اور ان کے دلوں کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے ضروری ہے۔ اور تم پر لازم ہے کہ اللہ کے پیغامبر کو پریشان مت کرو اور نہ ہی ان کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد ان کی بیویوں سے شادی کریں اور یہ اللہ کی نظر میں گناہ عظیم کے مترادف ہوگا۔''

پیغمبر ﷺ کی زندگی کے اواخر میں ایک حکم کے ذریعے انہیں مزید شادیاں کرنے سے روک دیا گیا جو سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 52 میں اس طرح نازل ہوا۔

''اس کے بعد تجھ پر عورتیں حلال نہیں اور یہ کہ ان کے بدلے اور عورتیں کر لے اگرچہ تجھ کو ان کی صورت خوش لگے مگر جو مال ہو تیرے دائیں ہاتھ کا اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے''۔

اس حکم کے بعد پیغمبر ﷺ نے کوئی شادی نہ کی۔ باب 6 میں ہم جناب پیغمبر علیہ السلام اور ازواج مطہرات کا زندگی کا رہن سہن زیر بحث لائیں گے۔ اس موقع پر یہی بیان کرنا کافی ہوگا کہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام واستحکام اور دہشت گردوں پر فتح پانے کے بعد مسلمانوں کے مالی حالات میں ترقی اور بہتری آ گئی۔ تبدیل شدہ مالی حالات کے پیش نظر ازواج مطہرات نے نبی ﷺ سے اپنے رہن سہن کے معیار میں بہتری لانے کے لیے مزید ضروریات زندگی کا مطالبہ کیا۔ جناب نبی ﷺ اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور دو روایات کے مطابق تو جناب پیغمبر ﷺ نے ان سے کچھ دنوں کے لیے علیحدگی اختیار کر کے، مسجد نبوی کے قریب ایک کھپریلی چھت والے بالا خانہ میں رہائش رکھ لی۔ اور یہی وہ وقت تھا جب سورۃ الاحزاب کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

''اے پیغمبر ﷺ اپنی ازواج سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور یہاں کی آسائش چاہتی ہو تو آؤ تمہیں کچھ مفاد پہنچا دوں اور بھلی طرح رخصت کروں''۔

''اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے ان کیلئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا اجر رکھا ہے''۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے ان آیات کو اپنی بیویوں کے روبرو پڑھا، اور انہیں خود

سے علیحدگی کا اختیار یہ کہتے ہوئے دیا کہ ان کے لئے روزانہ ضروریات کو بڑھانا ناممکن ہے۔اور انہیں اسی پر صابر وشاکر رہنا پڑیگا جوانہیں پہلے سے مہیا ہو رہی ہیں۔

تاریخ انتہائی واضح الفاظ میں اسکی شاہد ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک نے بھی ازدواجی زندگی کی خاطر یہ حق انتخاب استعمال نہ کیا اور وہ زندگی بھر اسی رہن سہن پر قانع رہیں۔

مناظراتی حملے

یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ مغربی ناقدین نے سراسر تعصب اور بدنیتی کی بنیاد پر نبی ﷺ پر جھوٹے الزامات یوں لگائے کہ آپ ﷺ اپنے اقتدار کی ترقی اور اپنی طاقت کے بڑھنے کے بعد زیادہ پر تعیش زندگی بسر کرنے لگے۔ہم انتہائی بوجھل دل کے ساتھ ان ہرزہ سرا مصنفوں کے حوالے سے مندرجہ ذیل حوالہ جات درج کرتے ہیں۔

''دی جیوش انسائیکلوپیڈیا (*The Jewish Encyclopedia*) میں اس طرح لکھا ہے:۔

''محمد ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد ان کی ازدواجی زندگی اور مذہبی زندگی میں تبدیلی محسوس ہوتی ہے''۔

فلپ سکاف (*Philip Schaff*)(55) اپنی کتاب ''ہسٹری آف کرسچین چرچ'' (*History of Christian Church*) میں بیان کرتا ہے۔

''ان کی تعدد الازواج جنسیت پرستی کے سبب تھی (معاذ اللہ)۔اور اولاد نرینہ کی خواہش میں عمر کے ساتھ ساتھ شدت آتی گئی''۔

گبن G i b b o n نے اپنی کتاب ''رومی سلطنت کا زوال و انحطاط'' (*Decline & Fall of Roman Empire*) میں بھی اسی طرح کی الزام تراشی کی ہے۔

گستاف ویل (Gustav Weil) (56) نے اپنی کتاب ''ہسٹری آف اسلامک پیپلز'' (History of Islamic peoples) میں لکھا ''کہ حرم سرائے پیغمبر ﷺ کا قرآن میں خصوصی ذکر ہے''۔

ول ڈیورینٹ (Will durant) (57) اپنی کتاب ''دی ایج آف فیتھ'' (The age of Faith) میں انتہائی غیر منصفانہ طور پر پیغمبر علیہ السلام کو جنس پرست (نقل کفر کفر نہ باشد) انسان لکھا ہے۔

ایک دیگر متعصب نقاد نابیہ ایبٹ (Nabia Abbot) (58) نے اپنی کتاب ''عائشہ محبوبہ محمد ﷺ'' (Aisha the Beloved of Mohammad) میں آپ ﷺ کو جنس پرست (معاذ اللہ) بیان کیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام مصنفین نے نبی مکرم ﷺ اور اسلام سے اپنی نسل در نسل نفرت کے پیش نظر ان حقائق پر جو ان کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے، اپنی آنکھیں بند رکھیں اور ان تمام سیاسی، سماجی، اور اخلاقی وجوہات و اسباب کو آسانی سے فراموش کر دیا جن کی بنا پر نبی اکرم ﷺ تعدّد الازواج کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔ یہ انتہائی اہم امر ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے تشریف لانے والے پیغمبروں نے بھی تعدّد الازواج کو اپنائے رکھا مگر مستشرقین میں سے کسی نے بھی ان انبیاء کرام کے بارے میں حرف زنی کیوں نہیں کی؟۔ اور صرف جناب پیغمبر اسلام ﷺ کو تنقید اور تضحیک کا نشانہ بنایا۔ کوئی بھی غیر متعصب اور صاحب بصیرت شخص بہ آسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے کتنی گہری نفرت کرتے تھے۔

قابل غور نکات

ہم نے تعدُّد الازواج کے رواج کے حوالہ سے مشاہدہ کیا ہے کہ عہد نامۂ قدیم کے دور میں بھی اس کو قبولیت وقت کا درجہ دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ داشتائیں اور کنیزیں

رکھنے کی بھی اجازت تھی۔مثال کے طور پر پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں، پیغمبر یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چار مرتبہ شادی کی۔

پیغمبر داؤد علیہ السلام کو اللہ کی جانب سے ان قیدی عورتوں سے بھی شادی کی اجازت تھی، جن کے وہ خواہشمند ہوں۔ان کی لاتعداد بیویاں اور کنیزائیں تھیں۔عہد نامۂ قدیم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویوں اور تین سو کنیزوں کا ذکر موجود ہے۔

قارئین کے لیے یہ امر یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا کہ جناب مسیح علیہ السلام نے اپنی تعلیمات میں کہیں بھی اپنے سے پہلے مبعوث ہونے والے پیغمبران کے تعدُّد الازواج کے حامل ہونے کی نفی نہیں کی بلکہ ایک موقع پر جناب مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ تذکرہ موجود ہے کہ آپ بھی تعدد الازواج کو روا رکھتے تھے۔

جیسا کہ اس سے پہلے ''ہرپرز بائیبل ڈکشنری'' (Harper's Bible Dictionery) میں مندرج ہے کہ پیغمبر ابراہیم، پیغمبر یعقوب، پیغمبر یوسف اور پیغمبر سلیمان علیہم السلام کی کثیر الازواجیت کے اسباب ان کے اس وقت کے سیاسی اتحاد تھے اور یہی صورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی صادق ہے کیونکہ انہوں نے بھی زیادہ تر شادیاں سیاسی وجوہات کی بنیاد پر کیں (اس کا ذکر اگلے باب میں تفصیلاً آئے گا)۔

گرچہ متذکرہ بالا نصوصِ قرآنیہ کے ذریعے عرب معاشرے میں متعدد شادیوں کا صدیوں سے رائج پرانا دستور ختم کر دیا گیا۔لیکن اس صورت حال پر بھی مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے صرف نظر کیا ہے۔

ایک متوازن نقطہ نگاہ

چند مغربی دانشوروں نے بہرحال اسلام میں تعدُّد الازواج کو ایک متوازن اور

منصفانہ نظر سے دیکھا ہے۔ چنانچہ کیرن آرم سٹرانگ(Karen Armstrong) (59) اپنی کتاب ''اے بائیوگرافی آف پروفٹ'' (A Biography of Prophet) میں رقمطراز ہے کہ

''مغربی ناقدین جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعدُّد الازواج، کو مردانگی تصور کرتے ہیں۔حرم جیسی مقبول عام فلمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنسی زندگی کو مضحکہ خیز انداز میں پیش کرتی ہیں جبکہ یہ امر حقیقت کے برعکس اور محض مغربی تصورات کا مظہر ہے۔ درحقیقت تعدُّد الازواج کے ذریعہ مردوں کی جنسی آسودگی مقصود نہ تھی۔ بلکہ یہ صرف سماج سے متعلقہ قانون سازی تھی۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعثت کے ابتدائی دور میں یتیموں کے مسائل سے پریشان اور کبیدہ خاطر رہے۔ یہ پریشانی غزوہ احد میں ہونے والے شہدا کی وجہ سے اور بھی گھمبیر ہوگئی کیونکہ جو لوگ اُحد میں شہید ہوئے ان کے پسماندگان میں بیواؤں، یتیم بیٹیوں، بہنوں کے علاوہ دیگر رشتہ دار بھی شامل تھے۔ جنہیں اب کسی نئے نگہبان کی ضرورت تھی۔ ان کے نئے سرپرست یتیموں کی جائداد کے انتظام و انصرام میں بہت زیادہ محتاط نہیں بھی ہو سکتے تھے۔ کچھ لوگ لڑکیوں کی شادیاں محض اس لیے نہیں کرتے تھے تاکہ وہ انکی جائیداد پر متصرف رہیں۔ یہ بات عام تھی کہ لوگ اپنی زیر کفالت خواتین سے شادیاں محض اس لئے کرتے تھے کہ اس طرح سے وہ انکی جائیدادوں کو اپنی ملکیت میں ضم کرسکیں۔

غالباً عرب میں مردوں کی کمی تھی۔ اور اس طرح عددی طور پر زائد غیر شادی شدہ خواتین کو بسا اوقات بری طرح سے استبداد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ قرآن پاک نے اس فکر انگیز مسئلے سے نبٹنے کے لیے ہی تعدُّد الازواج کا راستہ نکالا جس سے یتیم بچیوں کی شادی کا مسئلہ حل ہوگیا، لیکن یہ امر قطعی طور پر طے کر دیا گیا کہ ایک مرد صرف اسی صورت میں ایک سے زائد بیوی رکھنے کا مجاز ہوگا جب وہ اس کی جائیداد کا منصفانہ طور

پر انتظام وانصرام کرنے کا وعدہ کرے۔ اس کے علاوہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ کسی یتیم بچی کی شادی اسکی مرضی کے خلاف اسکے سرپرست سے منقولہ ملکیت گردانتے ہوئے نہیں کی جا سکے گی۔

ہمیں سیاق و سباق کے حوالے سے تعدد الازواج کے قانون کو دیکھنا ہوگا۔ ساتویں صدی میں جب عرب میں ایک مرد جتنی چاہے بیویاں رکھ سکتا تھا صرف چار بیویوں کی اجازت کی حد مقرر ہوئی جو یقیناً ایک نئے استبداد کا اجازت نامہ نہ تھی۔ قرآن نے چار بیویوں کی اجازت کو اس شرط کا بھی پابند کر دیا کہ جب تک مسلمان اس بات کا حتمی طور پر خود مطمئن نہ ہو جائے کہ وہ تمام بیویوں سے منصفانہ تعلقات رکھنے کے قابل ہے۔ اسے صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ (سورۃ 4 آیت 3) اسلامی قانون کے مطابق ایک سے زائد بیویاں رکھنے والے شوہر کو بیویوں کے مابین مساوی اوقات کی تقسیم کے علاوہ قانونی اور مالی طور پر ہر بیوی سے ایک جیسا سلوک کرنا چاہیے اور کسی ایک پر دوسری بیوی کو معمولی سی فوقیت بھی نہیں دینی چاہیے بلکہ تمام برابر کی عزت و توقیر اور پیار کی حقدار ہیں۔ اسلامی دنیا میں یہ امر متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان اس قرآنی نص کی پابندی سے ناکام رہے۔ گویا قانون محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا ہوگا۔ ایسے ممالک جہاں پر ایک سے زائد شادیوں پر پابندی ہے وہاں پر ارباب اختیار نے اس کو لادینیت کے نقطہ نگاہ سے نہیں بلکہ مذہبی بنیادوں پر نافذ کیا ہے''۔

جے ڈیون پورٹ (*J. Davenport*) (60) تعدُّد الازواج کی تاریخ اور رواج کے پس منظر کا ازمنۂ قدیم سے سراغ لگاتے ہوئے رقم طراز ہے:۔

''تعدُّد الازواج کا ممتاز حامی مشہور زمانہ مصنف جان ملٹن (*John Milton*) تھا، اس نے اپنی کتاب ''ٹریٹائز آن کرسچن ڈاکٹرائن'' (*Treaties*

(on Christian doctrine) میں انجیل کے مختلف منتخب حصوں کا حوالہ دیتے ہوئے کثیر الازواجیت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے لکھا ہے:

"ایک تمثیلی قصہ (Ezekiel XIII) میں خدا اپنے متعلق فرماتا ہے کہ اس نے دو بیویوں سے شادی کی۔ Aholah اور Aholiah یہ محض کہانی بیان کرنے کا انداز ہے۔ وگرنہ خدا کی گفتگو ہرگز ایسی نہیں ہوسکتی۔ حتیٰ کہ مثال کے طور پر بھی ایسی کہانی بیان نہیں ہوسکتی کیونکہ فی الواقع اللہ خود اپنے لئے ایسا کردار اختیار نہیں کرسکتا جو شرمندگی یا بے عزتی پر دلالت کرتا ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن وجوہات کی بنا پر کثیر الازواجیت کو رسوا کن رسم تصور کیا جائے جبکہ انجیل نے بھی اس کی نفی نہیں کی کیونکہ اُس نے تو شہری قوانین کو بھی جو اسکے نزول سے قبل نافذ العمل تھے منسوخ نہیں کیا۔ محض پادریوں کے بارے میں یہ پابندی لگائی گئی کہ وہ ایک بیوی کے شوہر ہوں۔ (I.TIM,III V2) اور (TiM, 6) اس سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ ایک سے زائد بیویوں کا شوہر ہونا گناہ نہیں تھا۔ صرف یہ پابندی اہل کلیسا کے لیے تھی تا کہ وہ مذہبی امور پر زیادہ توجہ دے سکیں۔ اور نسبتاً گھریلو مسائل میں کم الجھیں۔ گرچہ تعدُّد الازواج کی پابندی گرجے کے ارباب بست وکشاد پر لاگو تھی لیکن یہ کسی گناہ کے زمرہ میں نہیں آتی تھی۔ گرجے کے دیگر اراکین کو کبھی کثیر الازواجی سے منع نہیں کیا گیا اور اس پر عمل پیرا ہونے کو جرم نہیں گردانا گیا۔

احتیاطاً میں *V-4 Hebrew xiii* کے حوالے سے دلیل
دیتا ہوں کہ کثیر الازواجیت یا تو شادی ہے یا بدکاری۔ حضرت
عیسیٰ اس کے علاوہ کثیر الازواجی کی کسی تشریح کو تسلیم نہیں
کرتے۔ بہت سے قبائل کے روسا تعدد الازواج کے حامل و
حامی تھے۔ اس امر سے کثیر الازواجیت کے خلاف آرا کی نفی
ہوتی ہے کہ خدا جسم فروشوں، زناکاروں اور حرامکاروں سے خود
انصاف کرے گا۔ چنانچہ اگر کثیر الازواجیت کو قانونی شادی
گردانا اور تسلیم کیا جائے تو یہ قانون کے مطابق ہے بلکہ باعث
اعزاز ہے۔ عیسیٰ نبیؑ کے مطابق اس طرح کی شادی ہر لحاظ سے
آبرومندانہ اور پاکیزہ ہے"۔

بونی فیس (*Saint Boniface*) (61) جو جرمنی زیریں کا *Confessor*
(توبہ کرانے والا پادری) ہے نے 726 عیسوی میں پوپ گریگوری سے مشاورت کی
کہ کن حالات میں ایک مرد کو دو بیویاں رکھنے کی اجازت ہو سکتی ہے۔ تو پوپ گریگوری
نے اسی سال 22 نومبر کو ان الفاظ میں جواب دیا:۔

"اگر کوئی بیوی کسی بیماری یا مرض کا شکار ہو کر حقوق زن وشوئی ادا
کرنے سے ناقابل یا قاصر ہو جائے تو خاوند کو دوسری شادی کی
اجازت ہوگی۔ لیکن اس دوران اسے اپنی بیمار زوجہ کو تمام ضروریات
بہم پہنچانی ہونگی۔ اور ہر طرح سے اسکا ممد ومعاون رہنا ہوگا"۔

ایک اور مقالے میں بھی تعدد الازواج کے بارے میں انہی نظریات کا ذکر ملتا
ہے:۔

"یہ مفروضہ درست نہیں ہے کہ شرع محمدی ﷺ میں لاتعداد

بیویوں کی اجازت موجود ہے اور ساتھ ہی ساتھ طلاق دینے کی
بھی کھلی اجازت ہے۔عیسائیوں کے نزدیک بلکہ اس سے بڑھ
کر ہندوؤں کا شادی کے متعلق عقیدہ روحانی پاکیزگی سے
معنون ہے اور بلا شبہ یہ محمد ﷺ کے پیروکاروں سے بہتر تر
ہے۔لیکن عیسائی ممالک میں مسلمانوں کے مقابلے میں شادی
کے تقدس کا احترام کم ہوتا ہے۔اس حقیقت سے قطع نظر کہ ان
چند علاقوں میں جہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو،
کثیر الازواجیت سے فحبہ گری اور اس سے پیدا ہونے والی دیگر
خرابیوں پر قابو پایا اور حرام کی اولاد پیدا ہونے سے محفوظ رہا
جاسکتا ہے۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت
ایک بیوی پر اکتفا کرتی ہے۔اور یہ بنیادی طور پر نظام مصطفےٰ کی
تعلیمات کا نتیجہ ہے''۔

اے۔جی۔لیونارڈ (A.G Leonard) (62) اپنی تصنیف ''اسلام''
(Islam) میں تعدد الازواج کے مخالف نظریات پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''ریاست ہائے متحدہ میں کثیر الازواجیت پر پابندی کا قانون
نافذ العمل ہے اور حال ہی میں اس پر پہلے سے زیادہ سختی سے عمل
ہو رہا ہے مگر پھر بھی کثیر الازواجیت کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ کیا یہ
حقیقت اس امر کی دلالت نہیں کرتی کہ عیسائی دنیا کی نظر میں
جس فعل کو مسلمانوں کا گناہ کبیرہ گردانا جاتا ہے وہ ایسا نہیں
ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ جرم ہے بھی یا نہیں؟ کیا اس
سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا غلط استعمال بھی اسی طرح ہے جس

طرح اچھی چیز کا برا استعمال قابل نفرین ہے"۔

ایک اور مقالے میں اسلام کے کثیر الازواجیت پر پابندی کے بارے میں تعریفی تبصرے ملتے ہیں۔

"قرآن مسلمانوں کو آزادی دیتا ہے کہ وہ دو دو، تین تین اور چار چار کریں، لیکن اس شرط کے تحت کہ اگر وہ ان تمام سے مساوی اور یکساں سلوک نہ کر سکے۔ تو پھر ایک پر اکتفا کریں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس معاملے میں اصول پرستی قانون قدرت سے مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ بلکہ انہوں نے شادیوں کی تعداد پر پابندی عائد کر دی۔

رابنس (Rabbins) کے مطابق یہودی بادشاہ 18 تک بیویاں رکھ سکتے تھے۔ لیویٹیکل لاء (Levitical Law) کے تحت عام آدمیوں کے لیے دو بیویاں رکھنے کا مطلب اپنی تضحیک تصور کیا جاتا تھا۔ (115-Duet) پس ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ کثیر الازواجیت کی ممانعت یہودیت میں مذہبی طور پر نافذ ہے اور اگر ہم عیسائیت کا مطالعہ کریں تو یہ سوال ابھرتا ہے کہ آیا تعدُّد الازواج عیسائیت میں سب کے لیے یا صرف بشپ حضرات کے لیے ممنوع کی گئی ہے۔ (جو صرف ایک بیوی کے خاوند ہو سکتے ہیں (7 Tim iii2) شہنشاہ ویلانٹی نین (Valentinian) نے قانون سازی کے ذریعے ایک آدمی کو دو بیویاں رکھنے کا اختیار دیا اس نے خود بھی دو شادیاں کیں۔ کثیر الازواجیت نہ تو روایتی قانون کا حصہ معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی سیاسی طور پر اسے صرف یہودیوں تک محدود کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ قانون قدرت کا حصہ ہے۔ پھر اسے منسوخ کیسے کیا جا سکتا ہے"

اسلام میں کثیر الازواجیت کے فوائد پر باس ورتھ سمتھ (Bosworth smith) کے تنقیدی تناظرات وتبصرہ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"یہ خلاف انصاف ہوگا کہ کثیر الازواجیت کو تعلیمات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ سمجھا

جائے جیسا کہ غلاموں کی خرید وفروخت کو مسیحت کا حصہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہر دو لازم وملزوم نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقتاً یہ کبھی بھی اکٹھے نہیں ہوئے۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ مسیحیت میں غلامی کی رسم موجود تھی۔ انیسویں صدی تک عیسائیت کے حوالے سے اس کی توثیق کی جاتی رہی۔ جناب محمد ﷺ مشرقی سماج کی کایا پلٹ نہ کر سکے لیکن اس کی اصلاح کے لیے انہوں نے حتی المقدور سب کچھ کیا۔ انہوں نے مشرق میں کثیر الازواجیت کے شتر بے مہار کو نکیل ڈال دی اور طلاق دینے کی آسانی کو مسدود و محدود کر دیا۔ اگر کسی مذہب کے ان دو معاشرتی جہتوں کو حالات کی روشنی میں دیکھا جائے کہ خواتین غرباء اور مساکین کے ساتھ اس کا رویہ کیسا تھا تو نبی اکرم ﷺ کا نافذ کردہ مذہب اس آزمائش پر پورا اترتا ہے"۔

-----------☆-----------

باب سوم

حیاتِ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیغمبر علیہ السلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر جنسی رغبت کے حوالے سے عائد کیے گئے الزامات کو رد کرنے کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر اظہار کا کوئی اور طریقہ نہیں کہ مختلف مغربی مصنفین کی غیر متعصبانہ رائے کو اجمالاً سامنے لایا جائے۔ اس کے علاوہ ہم ان مستشرقین کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق و کردار کے بارے میں اعترافات اور ان حقیقی محرکات کو جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سے زائد شادیاں کرنے کا موجب بنے کا تذکرہ کریں گے جس کے لیے ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو مندرجہ ذیل چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

ا۔ 25 سال کی عمر تک کا دور

۲۔ 25 سال سے 50 سال تک کی عمر کا دور

۳۔ 51 سال سے 54 سال تک کی عمر کا دور

۴۔ 55 سال سے 63 سال تک کی عمر کا دور

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے معاشرے میں جنم لیا جو آزاد جنسی اختلاط کا معاشرہ تھا۔ اور جہاں بغیر شادی کے جنسی میل جول پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ (D.S Margoliouth)(63) اپنی کتاب ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اینڈ رائز آف اسلام'' (Muhammad and Rise of Islam) میں لکھتا ہے۔

> ''پاک دامنی اور عفتِ خواتین میں خلل اندازی اور شہوت پرستی عام سی بات تھی اور اسے توہین یا بے عزتی پر محمول نہیں کیا جاتا تھا''۔

ڈاکٹر ویل (Dr. Weil) نے اپنی کتاب "ہسٹری آف اسلامک پیپلز" (History of Islamic Peoples) میں سرزمین عرب کی معاشرتی زندگی کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"عرب میں جنسی اختلاط کے متعلق عوامی نقطہ نظر غیر محدود تعدُّد ازواج عام تھا"۔

ریوبن لیوی (Ruben Levy)(64) نے اپنی کتاب "سوشل سٹرکچر آف اسلام" (Social Structure of Islam) میں پیغمبر ﷺ کے ولادت باسعادت اور ان کے دور شباب میں داخل ہونے کے متعلق مندرجہ ذیل انداز میں لکھا ہے:

"جناب محمد ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل کھلے بندوں عصمت فروشی رائج الوقت تھی اور یہ امر واضح ہے کہ عربوں میں رنڈی بازی کو قابل نفرین نہیں گردانا جاتا تھا"۔

حیات طیبہ کا پہلا دور

آپ ﷺ کی نوجوانی

جناب پیغمبر ﷺ بہت ہی خوبرو اور تنومند جسم کے حامل تھے تاہم ان کا بھرپور عہد شباب جواُن کی عمر کے 25 سالوں تک محیط ہے ان ایام میں جب جذبات کی انگیخت بھی ہوتی ہے آپ ﷺ پارسائی کے حامل منفرد شخصیت اور بے داغ اخلاقی زندگی کا اچھوتا نمونہ تھے۔ کوئی بھی مغربی یا مشرقی نقاد ان کی پارسائی اور پاکدامنی پر معترضانہ انگلی نہیں اٹھا سکا۔

ہم یہاں پر بعض مغربی سکالرز کے کچھ مشاہدات کا حوالہ دیتے ہیں جو پیغمبر اسلام ﷺ کی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی سے قبل ان کے اعلیٰ اخلاق و کردار پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) جو کہ پیغمبر ﷺ کا ایک سخت گیر نقاد ہے تسلیم کرتا ہے کہ:۔

''تمام مستند و مقتدر ماہرین متفق ہیں کہ جناب محمد ﷺ کا عہدِ جوانی شرافت، حیا، سادگی، انکساری اور پاکیزگی کا مرقع تھا اور ایسی پاکیزگیٔ اخلاق و عادات اہل مکہ میں مفقود تھی''۔

پی۔ ڈی لیسی جان سٹون (P.de Lacy Johnstone) اپنی کتاب ''محمد ﷺ اینڈ ہز پاور'' (Mohammad and His Power) میں یوں رقمطراز ہے:۔

''تمام لوگوں میں وہ ﷺ ایک بلند پایہ کردار کے حامل تھے ان کی ذات پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا''۔

ریو۔ مارکس ڈاڈس (Rev. Marcus Dods) (65) اپنی تصنیف ''محمد، گوتم بدھ اور مسیح'' (Muhammad, Buddah and Christ) میں لکھتا ہے:۔

''آپ ﷺ کی غیر شادی شدہ جوانی کا دور حیران کن طور پر بے داغ تھا''۔

ایمائیل ڈرمنگھم (Emile Dermengham) (66) اپنی کتاب ''لائف آف محمد'' (Life of Mahomet) میں تحریر کرتا ہے:۔

''محمد ﷺ کا عہد شباب پارسائی اور پرہیزگاری کا مرقع تھا''۔

سر جان بیگٹ گلب (Sir John Bagot Glubb) (67) کہتا ہے:۔

''آپ ﷺ آزاد جنسی پیار و محبت کے قائل نہ تھے۔ آپ ﷺ اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے تھے۔ اور اپنے مشن سے پہلے کے جوانی کے دور میں بھی اُن کے کسی عورت کے ساتھ غیر اخلاقی تعلقات نہ تھے۔ اور اپنا مشن شروع کرنے کے بعد بھی

ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں ﷺ نے سوائے اپنی بیوی کے کسی غیر عورت کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا''۔

جناب پیغمبر ﷺ کی حیات طیبہ کا دوسرا دور

(25 سال سے 50 سال تک)

پچیس سال کے سن میں آپ ﷺ نے سیّدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد سے شادی کی۔ ان کی والدہ سیّدہ فاطمہ بنت زیدہ قریش کے ایک متمول اور معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد نے جو ایک کامیاب تاجر تھے ان کے لئے ورثہ میں کثیر مال و متاع چھوڑا۔ ان کی شادی ابو ہالہ بن زرارہ سے ہوئی جن سے ان کے دو بیٹے حارث اور ہند تھے۔

پہلے خاوند کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی عتیق بن عائد مخزومی سے کی وہ بھی ان کی زندگی میں فوت ہو گئے۔ ان کے نطفہ سے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک بیٹی ہندہ کے نام کی تھی۔ اپنے دوسرے خاوند کی وفات کے بعد انہیں اپنے تجارتی کاروبار کی نگرانی کرنے کے لیے ایک زیرک، دیانتدار اور پارسا شخص کی شدید ضرورت تھی۔ اہالیان مکہ نے منفرد شخصیات میں سے بائیس سالہ جناب محمد ﷺ کو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کاروبار کے لئے پسند کرتے ہوئے منتخب کیا چنانچہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جناب محمد ﷺ کی خدمات اپنے کاروبار کی نگرانی کے لئے حاصل کیں۔ جناب محمد ﷺ کو کاروبار کرنے کا تجربہ کم تھا۔ تاہم ان کی پہلی کاروباری مہم شام سے انتہائی کامیاب لوٹی۔ یہ مہم خطرناک اور مشکل تو ضرور تھی مگر آئندہ تجارتی کامیابیوں کا پیش خیمہ تھی۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کے اعلیٰ اخلاق و اطوار سے بہت متاثر ہوئیں۔ آپ کے غلام میسرہ رضی اللہ عنہ جو جناب محمد ﷺ

کے ساتھ تجارتی سفر پر ہمسفر رہتے تھے حضور ﷺ کی تعریف میں ہمہ تن رطب اللسان تھے۔ چنانچہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے باقاعدہ طور پر ان سے شادی کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کیا۔ نفیسہ رضی اللہ عنہا جو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں نے یہ رشتہ طے کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ شادی کے وقت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال اور نبی مکرم ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔

سیّدہ خدیجہؓ پیغمبر اسلام ﷺ سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔ انہوں نے اپنی ساری دولت آنحضور ﷺ کی تحویل میں دے دی۔ آپؓ نے عقد مبارک کے دوران تولد ہونے والی چار بیٹیوں سیّدہ زینبؓ، سیّدہ رقیہؓ، سیّدہ ام کلثومؓ، اور سیّدہ فاطمہؓ کی نہایت شفقت ومحبت سے پرورش کی۔

آنحضور ﷺ کے دو بیٹے جناب قاسمؓ اور جناب عبداللہ جو کمسنی میں وفات پا گئے تھے سیّدہ خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

فدا حسین (68) اپنی کتاب ''وائیوز آف دی پروفٹ'' (Wives of the Prophet) میں لکھتے ہیں۔

''جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک 40 سال کی ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنی پوری توجہ دنیاوی مشاغل سے ہٹا کر روحانی مراقبہ پر مرتکز کر دی۔ اور آپ ﷺ جبل النور کی غارِ حرا میں فروکش ہو گئے۔ غارِ حرا کی پرسکون خاموشی میں آپ ﷺ روزے سے رہتے اور مکمل طور پر مراقبے میں منہمک ہو گئے اور اسی غارِ حرا میں فرشتہ جبریل آپ ﷺ پر پہلی وحی لائے۔ اور آپ پر خدائی اسرار منکشف ہونا شروع ہوئے''۔

حیرت زدہ جناب محمد ﷺ فوراً اپنے گھر پہنچے اور اپنی زوجہ محترمہ سیّدہ خدیجہ رضی

اللہ عنہا کو یہ عجیب وغریب واقعہ بتایا۔ جنہوں نے واقعہ گہری دلچسپی سے سنا اور انہیں دوبارہ یقین دلایا اور کہا "میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ وہ آپ ﷺ کو رسوا نہیں کرے گا اس لئے کہ آپ ﷺ رشتوں کے بندھن جوڑنے والے ہیں اور غریبوں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ مفلسوں کی دل سے مدد کرنے پر کمربستہ رہتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور فی الواقع کبیدہ خاطر اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں" وہ پہلی خاتون تھیں جو حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔

ازاں بعد حضور ﷺ نے اہل مکہ کو اپنے پیغمبرانہ مشن کا آغاز کرتے ہوئے صرف خدائے واحد کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ بت پرستی اور گھٹی میں پڑی ہوئی اطفال کشی جیسی برائیوں کو ترک کرنے کا کہا۔ زنا کاری اور معمولی باتوں پر قبائلی لڑائی جھگڑوں سے منع فرمایا جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکار صحابہ کرام کو اذیتیں دی گئیں اور کفار مکہ نے آپ ﷺ کی مسلسل تذلیل جاری رکھی۔

صعوبتوں کے ان سالوں میں سیّدہ خدیجہؓ نے ان کی مکمل مالی و اخلاقی امداد و حمایت خلوص دل سے جاری رکھی۔ وحی کے نزول کے دس سال بعد سیّدہ خدیجہؓ دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ اور جناب نبی اکرم ﷺ کو غم واندوہ کا تنہا مقابلہ کرنے کے لیے چھوڑ گئیں۔

ڈبلیو منٹگمری واٹ (*W.Montgomary Watt*) خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی پیغمبر ﷺ سے شادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "روایتی صراحت اس شادی کی یوں ہے کہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ جناب محمد ﷺ اعلیٰ کردار کے حامل، دیانت دار اور قابل اعتماد شخص ہیں تو انہوں نے آپ ﷺ کو اپنا تجارتی نمائندہ بنا کر ملک شام کو جانے والے ایک تجارتی

کارواں میں بھیجا۔ ان کے دو سابقہ شوہروں میں سے دوسرے شوہر کا تعلق قبیلہ مخدوم سے تھا مگر ان کے بعد اب انہوں نے ذاتی طور پر اپنے تجارتی نمائندوں کے ذریعے تجارت شروع کی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جناب محمد ﷺ سے اپنے کاروبار کے تجارتی نمائندے کی حیثیت سے ملنے والے نتائج سے اور انکی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہوں نے جناب محمد ﷺ کو شادی کی پیشکش کردی جو انہوں نے قبول کرلی۔ ایک روایت کے مطابق سیّدہ خدیجہ کی عمر چالیس سال جبکہ جناب محمد ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال تھی"۔

ڈاکٹر۔ لی اون نیمائے (Leon Nemoy)(69) "یونیورسل جیوش انسائیکلوپیڈیا" (Universal Jewish Encyclopedia) میں رقمطراز ہے:۔

"بلاشبہ یہ شادی مصلحتاً عمل میں آئی کیونکہ خدیجہ کو ایک مضبوط انتھک اور تجربہ کار تاجر چاہیے تھا جو اُن کے تجارتی مفادات اور کاروباری نظام کو سنبھال سکے۔ اس طرح یہ ساری صورت حال تقریباً ایک مثالی رفاقت، لگن، پیار اور باہمی احترام میں بدل گئی۔ جناب محمد ﷺ نے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی اور ہمیشہ سیّدہ خدیجہ کی دل کی گہرائیوں سے قدر کی۔ سیّدہ خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہونے والے دو بیٹوں کے وصال کے بعد احساس ممنونیت میں اضافہ ہوگیا"۔

مشہور فرانسیسی سکالر ارنسٹ رینان (Ernest Renan) سیّدہ خدیجہؓ کے

بارے میں ان الفاظ میں رقمطراز ہیں:۔

''مقدس نورانی ہالہ خدیجہؓ کے اردگرد دمکتا ہے۔ اور یہ حقیقت میں جناب محمد ﷺ کے حق میں بڑی معتبر شہادت تھی، کہ پیغمبری کی تاریخ میں ایک منفرد انداز میں پیغمبر ﷺ کے روحانی مشن کو سب سے پہلے سیّدہ خدیجہؓ نے تسلیم کیا۔ جو پیغمبر ﷺ کی انسانی کمزوریاں بخوبی جان سکتی تھیں''۔

جب تبلیغی تعلیمات کے آغاز میں آنحضرت ﷺ پر نبوت کا جھوٹا دعویدار ہونے کا الزام لگایا گیا اور آپ ﷺ کو ہدف تمسخر بنایا گیا تو آپ ﷺ سیدھے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کے پاس جاتے اور اپنے تمام دکھوں اور مصائب سے آگاہ کرتے تو خدیجۃ الکبریٰ انتہائی التفات سے آپ کی دلجوئی کرتیں اور ڈھارس بندھاتیں اوران کے یقین کو پختہ تر کردیتیں اور اس طرح سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ آنحضور ﷺ کی نظروں میں یوں جچ گئیں کہ اپنے بعد آنے والی دیگر اُمّہات المومنین کے مقابلے میں کبھی کمتر نظر نہیں آئیں۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ کی سیّدہ خدیجہؓ کے احترام وعزت کے بارے میں راسخ رائے پر رشک کرتے ہوئے ایک دن اُمّہات المومنین میں سے ایک نے آنحضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا اللہ نے انہیں وہ کچھ نہیں دیا کہ اب وہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کو بھول جائیں تو آنحضور ﷺ نے جواب دیا ''نہیں''۔ جب میں مفلس تھا اس نے مجھے مال دار بنایا۔ جب لوگوں نے مجھے کاذب کہا اس نے مجھے قابل اعتماد گردانا۔ جب میں اپنی قوم کی ملامت کا نشانہ بنا، وہ میری وفادار رہیں۔ میری پریشانیوں میں جتنا اضافہ ہوتا رہا ان کا خلوص و پیار اتنا ہی بڑھتا چلا گیا''۔

مشہور مصنف تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) حضور کی سیّدہ خدیجہؓ

کے ساتھ ازدواجی زندگی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

"ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جناب نبی ﷺ نے اپنی زوجہ محسنہ کے ساتھ انتہائی امن وسکون اور پیار ومحبت سے بھرپور زندگی بسر کی اور ان کو دل وجان سے چاہا۔ ایسی ازدواجی زندگی کا یہ انداز ان کے خلاف جھوٹے دعویدار ہونے کے دعوے کی یکسر نفی کرتا ہے۔ مسلمہ طور پر انہوں نے مکمل طور پر بے عیب، کلی پرسکون اور سیدھے سادھے انداز میں زندگی گزاری حتیٰ کہ عمر کے گرمجوشی کے سال بیت گئے"۔

سٹینلے لین پول (Stanley Lane Poole) لکھتا ہے:۔(70)

"پچیس سالہ محمد ﷺ اپنے سے بڑی عمر والی بیوی کے ساتھ وفادار رہے اور جب 65 سال کی عمر کو خدیجہؓ پہنچ گئیں اور انہوں نے یقیناً اپنی شادی کی سلور جوبلی منائی ہوگی تو اس وقت بھی جناب محمد ﷺ نے جناب خدیجہؓ سے ویسا ہی پیار روا رکھا ہوگا جیسے انہوں نے پہلی مرتبہ سیّدہ خدیجہؓ سے شادی کے وقت کیا تھا۔ اس تمام عرصہ میں فضیحت ورسوائی کی ایک سانس تک نہ آئی ہوگی۔ اس طرح جناب محمد ﷺ کی زندگی باریک بینی کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے"۔

دیگر مصنفین بھی جناب محمد ﷺ کی سیدہ خدیجہؓ سے خوشگوار ازدواجی زندگی کا ذکر کرتے ہیں۔

ایمائیل ڈرمنگھم (Emile Dermengham) بیان کرتا ہے:۔

"جناب محمد ﷺ کی خوشگوار ازدواجی زندگی پارسائی کا مثالی نمونہ تھی۔ سیّدہ خدیجہؓ ایک مثالی بیوی تھیں اور جناب محمدؐ بہترین شوہر تھے۔ وہ اپنے سے پندرہ برس بڑی عمر کی واحد بیوی کے ساتھ انتہائی وفادار رہے"۔

ریو ہیوجز (Rev Hughes) اپنی کتاب "ڈکشنری آف اسلام" (Dictionery of Islam) میں ہمیں بتاتے ہیں:۔

"جناب محمد ﷺ اور خدیجہؓ کا گھرانہ روشن اور پرمسرت تھا اور انکی شادی بڑے نصیبوں والی اور ثمر آور تھی"۔

کچھ مسیحی مصنفین نے محض تعصب کی بنیاد پر پیغمبر ﷺ کی حیات مبارکہ کی صحیح عکاسی نہیں کی۔ کچھ نے بین السطور آپ کی تعریف ومدحت کے لیے زبان کھولی جبکہ بقیہ نے برملا ملامت کا اظہار کیا۔

ولیم ڈیورینٹ (William-durant) نے بھی خفی انداز میں طنز کی ہے:۔

"ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں متعدد بچوں کی چالیس سالہ والدہ سے شادی کی۔ اور اس خاتون کی وفات تک جناب محمد ﷺ ان کے رفیق حیات رہے۔ پچیس سال کا عرصہ بنتا ہے اور سیّدہ خدیجہؓ جناب محمد ﷺ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں واحد بیوی کے طور پر منسلک رہیں جو ایک متمول مسلمان کے لیے ایک انتہائی غیر معمولی بات ہے لیکن غالباً یہ ایک باہمی قدرتی لگاؤ کا نتیجہ

ہے''۔

سپرینگر (Sprenger) (71) ایک جرمن جو نبی ﷺ کا سیرت نویس ہے لکھتا ہے:۔

''جناب پیغمبر ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس لئے وفادار رہے کہ وہ ان کی متوسلہ تھیں''۔

باس ورتھ سمتھ (Bosworth Smith) نے سپرینگر (Sprenger) کے مندرجہ بالا نظریات کی ان الفاظ میں تردید کی ہے۔

''سپرینگر (Sprenger) ڈھٹائی کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہے کہ سیّدہ خدیجہؓ کی وفات تک آنحضور ﷺ کا اظہارِ خلوص و وفا ان سے رغبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ ان کا مالی سہارا تھیں اگر ایسا تھا تو پھر سیّدہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد پیغمبر ﷺ کی دوسری شادی تک اتنا وقفہ کیوں رہا؟ اور پھر کیوں ان کی وفات کے ایک لمبے عرصے بعد جب ام المومنین عائشہؓ نے اپنی نوعمری اور حسن کا موازنہ خدیجۃ الکبریٰ کی پیرانہ سالی اور جسمانی نقاہت سے کیا تو نبی اکرم ﷺ نے کیوں ان کے متعلق امتنان تشکر کا بھرپور اظہار کیا''۔

جناب محمد ﷺ کا ایک سویڈش سوانح نگار تو رانیڈ رائے (Tor Andrae) (73) لکھتا ہے:۔

''فی الواقعی سیّدہ خدیجہؓ اس روایتی شہرت اور نیک نامی کی مستحق تھیں جو ان کے حصے میں آئی۔ جناب محمد ﷺ کے اعلان بعثت نبوی کے وقت سیّدہ

خدیجہؓ ان کے ساتھ انتہائی وفاداری سے شانہ بشانہ
ساتھ رہیں۔اس کے باوجود کہ سیّدہ خدیجہؓ کی وفات
حسرت آیات کے بعد یکے بعد دیگرے آنحضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 9 شادیاں کیں۔مگر سیّدہ خدیجہؓ کے ساتھ
شادی آپ کے لئے انتہائی پرمسرت تھی کیونکہ
آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدہ خدیجہؓ کی زندگی میں کسی
دوسری عورت کو حرم نبوی میں داخل نہیں کیا''۔

''ہسٹوریز ہسٹری آف دی ورلڈ'' (Historian's Hisotry of the world) نامی کتاب میں رقم ہے:۔

''جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ سیّدہ خدیجہؓ کی زندگی میں ان
سے کلی طور پر وفادار رہے اور ان کی وفات حسرت آیات کے
بعد بھی انکے تقدس واحترام کے احساس میں کمی نہ آنے دی۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخروی دور کی محبوب بیوی سیّدہ عائشہؓ کا کہنا
ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی ہم عصر بیویوں اسے اتنا رشک
کبھی روانہ رکھتی تھیں جتنا کہ مرحومہ ومغفورہ سیّدہ خدیجہؓ سے،
جن کے متعلق جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ یہ قول رہا کہ وہ تمام
عورتوں کے لیے قابل تقلید اور مثالی خاتون تھیں''۔

رچرڈ لیوان سن (Richard Lewinson)(74) لکھتا ہے:۔

''جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ شادی جو چھبیس
سال پر ان کی وفات تک محیط رہی انتہائی پرمسرت تھی۔اور یہ
یک زوجگی کی بہترین مثال تھی۔یہ ان دنوں کی بات ہے جب

بحیرہ احمر کے اس پار جہاں نجاشی بادشاہ کی قلمرو میں مسیحیت انتہائی مستحکم بنیادوں پر قائم تھی۔ لاریب جناب محمد ﷺ اور سیّدہ خدیجہؓ جیسی بے عیب اور شاندار شادی کی مثال نہیں ملتی تھی۔ جناب محمد ﷺ بدرجہ اتم سیّدہ خدیجہؓ کے محبّ اور وفادار تھے''۔

ایک مشہور نومسلم برطانوی مصنف لارڈ ہیڈلے (Lord Headley) نے لکھا:۔ (75)

''تمام مورخین متفق ہیں کہ نبی ﷺ ایک انتہائی آئیڈیل شوہر تھے اور انہوں نے اپنی زوجہ سے بھرپور پیار کیا اور انکی گھریلو قابل رشک زندگی پر کسی زاویے سے انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی تھی۔ نبی رﷺ کی پچیس برس کی عمر میں خدیجہؓ سے عقد کے بعد ستائیس برسوں پر محیط ان کی ازدواجی زندگی فی الواقعی نہ صرف یہ کہ دو مخلص ہاتھوں کا مصافحہ اور دو دلوں کا پرمسرت اور پرخلوص ملاپ تھا بلکہ دست و دل کی اس ہم آہنگی میں ستائیس برسوں تک سرمو فرق نہ آیا''۔

ام المومنین کے لیے نبی ﷺ کا بے لوث پیار، لگن اور وفاداری دائمی تھی۔ سیّدہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں نبی ﷺ نے کسی دیگر میثاق ازدواج کا سوچا تک نہیں تھا۔ انکی وفات حسرت آیات نے اس عزیز از جان اور خوشگوار سنجوگ کو اختتام سے ہمکنار کرتے ہوئے انہیں جنت مکانی بنادیا۔

پیغمبر ﷺ اسلام کا تندوتلخ نقاد مارگولیتھ (Margoliouth) نبی ﷺ کو خراج عقیدت پیش کیے بغیر نہ رہ سکا اس پائیدار محبت کی نسبت جو نبی اکرم ﷺ کو

سیّدہ خدیجہ سے تھی۔

''ام المومنین سیّدہ خدیجہؓ کے لئے جناب محمد ﷺ ہمیشہ رطب اللسان رہے جناب پیغمبر اپنی زندگی کے اخیر تک ان تمام عورتوں پر شفقت فرماتے رہے جو سیّدہ خدیجہؓ کی سخاوت سے فیض یاب ہوتی رہیں۔ آنحضور ﷺ کے مطابق وفاداری جز و ایمان ہے''۔

خاتون مصنفہ کیرن آرم سٹرانگ (Karen Armstrong) اس شادی کے بارے میں لکھتی ہے:

''ابن اسحاق سے روایت ہے کہ سیّدہ خدیجہؓ ایک اولوالعزم، عالی نسب شریف امیر زادی اور صاحبہ فہم و فراست تھیں۔ ام المومنین خدیجہؓ جنہوں نے اپنے شوہر نامدار کی بے مثال صلاحیتوں کا سب سے پہلے اعتراف کیا تھا۔ اپنی تمام عمر ان کے حوصلہ کو بڑھاتی رہیں۔ ان کے بوجھ میں کمی اور ان کی دعوت حق کی تصدیق کرتی رہیں''۔

نبی ﷺ نے حیاتِ ام المومنین خدیجہؓ کے دوران کسی دیگر خاتون کو حرم نبوی میں داخل نہ کیا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ذہن نشین رہنی چاہیے ان ناقدین کو جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری برسوں میں انکی کثیر الازواجی زندگی پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ سیّدہ ام المومنین خدیجہؓ کی وفات حسرت آیات کے بعد حرمِ نبوی میں داخل ہونے والی اُمہات المومنین جناب پیغمبر ﷺ سے سیدہ خدیجہؓ کی نہ ختم ہونے والی تعریف سنتے سنتے دل آزردگی کا شکار ہو جاتیں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ خود اتنے غم زدہ ہوئے کہ آپ ﷺ کا رنگ زرد پڑ گیا جب آپ کو

خیال گزرا کہ انہوں نے سیّدہ خدیجہؓ کی آواز سنی ہے۔ یہ ذاتی مصلحتوں کی شادی نہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ اہل خانہ کو کفایت شعاری کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے اور اپنی خاندانی آمدنی کا بڑا حصہ ضرورت مند غرباء پر صرف کر دیتے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کا دور ثالث

(سن عمر 51 سال سے 54 سال)

ام المومنین خدیجہؓ کے وصال کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کا کوئی غمگسار نہ رہا۔ بچوں کی پرورش اور نگہداشت نے آپ کے غم و اندوہ میں اضافہ کر دیا۔ باوجودیکہ حضور ﷺ کی صاحبزادیاں سیّدہ زینبؓ، سیّدہ رقیہؓ اپنی والدہ سیدہ خدیجہؓ کی وفات سے پہلے ہی ازدواجی بندھن میں بندھ چکی تھیں۔ تاہم سیّدہ ام کلثومؓ اور سیّدہ فاطمہؓ حضور ﷺ کے سایہ عاطفت میں تھیں۔ آپ ﷺ کا نبوت کا مشن آپ ﷺ کی ہمہ وقت توجہ کا طالب و متقاضی تھا۔ صحابہ کرام نے اس غم کو بہت محسوس کیا اور حضور ﷺ کو شادی کرنے کا مشورہ دیا تا کہ اس طرح وہ بہت سی گھریلو پریشانیوں سے نجات پا سکیں۔ چنانچہ ایک صحابیہ خولہ بنت حکیم نے سیّدہ سودہؓ بنت زمعہ کا نام تجویز کیا جو کہ ابتدائے اسلام میں ایمان لانے والی خواتین میں شامل تھیں۔ سودہؓ کی شادی پہلے صحابی رسول ﷺ سکران بن عمروؓ سے ہوئی تھی وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔

کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر سیّدہ سودہؓ اپنے خاوند سکران کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئیں اور پھر اس وقت مکہ واپس آئیں جس دوران ام المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ انتقال فرما چکی تھیں۔ چند ہی روز بعد سکران بن عمروؓ بھی انتقال کر گئے اور پسماندگان میں ایک بیوہ سودہؓ اور عبدالرحمان نامی بیٹے کو چھوڑا جو بعد میں جنگ جلولہ

میں شہید ہوئے۔

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی یقیناً مسرت وانبساط کے لیے نہ تھی ان کی عمر اس وقت پچاس سال تھی۔سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی جان نثار اہلیہ ثابت ہوئیں اور مقدس امانت سمجھتے ہوئے انہوں نے حضور ﷺ کے بچوں کی مشفقانہ انداز میں دیکھ بھال کی۔

جب پیغمبر اسلام ﷺ نے سیّدہ عائشہ صدیقہؓ بنت جناب ابوبکرؓ سے مدینہ میں شادی کی تو سیّدہ سودہؓ نے اس تقریب میں پوری محبت اور دلجمعی سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اور جب پیغمبر ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے احکاماتِ قرآن کی روشنی میں منصفانہ طور پر برابر کا وقت تقسیم کیا تو سیّدہ سودہؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ اپنی محبت کے پیش نظر رضا کارانہ طور پر اپنی خوشی سے اپنی باری کا وقت بھی سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے وصال کے بعد سیّدہ سودہؓ میں زندہ رہنے کی امنگ باقی نہ رہی۔وہ انتہائی متقی پرہیز گار خاتون تھیں۔ایک مرتبہ جناب عمرؓ کے دور خلافت میں جناب عمرؓ نے انہیں روایتی کھجوروں کی بجائے درہموں سے بھرا ہوا تھیلا بھجوایا مگر ام المومنین سیّدہ سودہؓ نے اسے اپنے پاس رکھنے کی بجائے ضرورت مند غرباء میں تقسیم کر دیا۔26 ہجری میں جناب عمرؓ کی خلافت کے اختتامی دور میں آپؓ انتقال فرما گئیں۔

سیّدہ سودہؓ کی شادی کے بارے میں ہم مختلف مصنفین کی آراء درج کرتے ہیں۔سیّدہ سودہؓ رسول اللہ ﷺ سے شادی کے وقت پختہ عمر خاتون تھیں جو سن ہجری کے آغاز سے تین سال پہلے آپ کے عقد میں آئیں اور چار برس تک وہ رسول اللہ ﷺ کی واحد زوجہ کی حیثیت سے رہیں۔مشہور اسلامی مورخ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے دسویں سال میں سیّدہ سودہؓ سے ہجرت مدینہ

سے قبل شادی کی۔

''شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' (Shorter Encyclopedia of Islam) میں سیّدہ سودہؓ کے عنوان سے موجود ایک آرٹیکل میں ایک مصنف وی۔ واکا (V. Vacca) لکھتا ہے۔

''سیّدہ سودہؓ کی شادی پیغمبر ﷺ سے سیّدہ خویلہ بنت حاکم نے طے کرائی جو سیّدہ خدیجہؓ کی رحلت کی تشفی کے لیے حضور ﷺ کی شادی سیدہ سودہؓ سے کروانا چاہتی تھیں اور یہ سب کچھ ام المومنین سیّدہ خدیجہؓ کے سانحہ ارتحال کے تقریباً ایک ماہ بعد ہوا جبکہ نبوت کے ارفع مشن کا دسواں سال تھا۔ عقد ثانی کے وقت سیّدہ سودہؓ جوان عمر خاتون نہ تھیں''۔

سیّدہ سودہؓ کے حوالہ سے سٹرن (Stern) اپنی تصنیف ''میرج ان ارلی اسلام'' (Marriage in early Islam) میں رقمطراز ہے:۔

''ان کی عمر کا تعین نہیں ہوسکتا لیکن روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دیگر ازواج کے مقابلے میں زیادہ عمر کی تھیں''۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) اپنی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' (Life of Muhammad) میں بیانی ہے۔

''اس خاتون کے کردار کے بارے میں اس قدر جانتے ہیں کہ جب وہ اپنے سابقہ خاوند سکران کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں تو اس وقت بھی وہ غیر معمولی طور پر اسلام کے نصب العین اور مقاصد کی پرستار اور گرویدہ تھیں۔ سیّدہ خدیجہؓ کے سانحہ ارتحال کے بعد سیّدہ سودہ حضور ﷺ کے عقد میں تین چار برس واحد

زوجہ کی حیثیت سے آباد رہیں"۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا دور چہارم

(سن عمر 54 سال سے تا 63 سال)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمر شریف کے چالیسیوں برس میں منصب نبوت پر سرفرازی اور وحی الٰہی کے نزول کا اعلان کرتے ہی اہل مکہ کی شدید مخالفت اور دشمنی کا آغاز ہو گیا اور وہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اہل مکہ میں بت پرستی عروج پر تھی اور جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں 360 بت رکھے گئے تھے اور اہل مکہ ان سے برکات وخوشنودی کے حصول کے لیے ان کے اردگرد ننگے ناچتے تھے۔ نومولود بیٹیوں کو نحوست اور بدشگونی خیال کرتے ہوئے انہیں زندہ درگور کردیتے تھے۔ زنا کاری عام تھی۔ قبائلی رقابتیں اور جنگ وجدل برس ہا برس تک جاری رہتیں۔ مگر اب انہیں ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک خدا پر یقین و ایمان لاتے ہوئے تمام بری رسومات جو انکی معاشرتی ریاست میں برس ہا برس سے رچی بسی تھیں یکسر ترک کردینے کی تبلیغ وہدایت کی۔ وہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنکی پارسائی اور زہدو تقویٰ سے مزین کردار کے پیش نظر اہل مکہ انہیں صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے اب ان پر (معاذ اللہ) فریبی اور جادوگر کی چھاپ لگا رہے تھے اور ہر ممکن کوشش سے انہیں تبلیغ اسلام سے روکنے کی سعی کی جارہی تھی۔ ابتدا میں دنیاوی مال و دولت اور آسائشوں کے لئے لالچ اور ترغیب سرفہرست تھی۔ اور آپ کے انکار پر زبردست گالی گلوچ سے ہراساں کیا جاتا، آپ کی توہین کرنے اور جسمانی ایذا دینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن حکم ربی سے پیغمبر کے پایہ استقلال میں سرِ مو لرزش نہ آئی اور دن رات مکہ اور مضافات مکہ میں آپکی تبلیغ وتعلیمات مسلسل جاری رہیں۔

مردوں میں سب سے پہلے جناب ابوبکر صدیق مشرف بہ ایمان واسلام ہوئے اور خواتین میں سب سے پہلے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰؓ ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہوئیں۔ رفتہ رفتہ لیکن مستقل مزاجی سے کی گئی تبلیغ سے لوگ جوق در جوق اسلام کی صفوں میں داخل ہوتے گئے اور اسلام وسعت پذیر ہونے لگا تو اہل مکہ کا غیض و غضب اور بھی بڑھنے لگا۔ ترغیب و تبلیغ اسلام کے آگے بند باندھنے کے لیے اہل مکہ مسلمانوں پر جسمانی تشدد کرنے لگے جس کے نتیجہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں میں سے جناب یاسرؓ۔ جناب خباب بن ارتؓ اور ایک نومسلم خاتون سمیہؓ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی شہادت کی موت سے ہمکنار ہوئے۔

جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خاندان پر قافیہ حیات انتہائی تنگ کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کرنے کی کوشش اور سازشیں بھی کی گئیں۔ اور تقریباً تین برس تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب نامی تنگ گھاٹی میں زبردستی محصور کر دیا گیا۔ ترش رو، تندخو اور اکھڑ مزاج کفار نے پانی اور خوراک کی قلت کا اہتمام کرتے ہوئے ہمہ وقت توہین آمیز سلوک اور گالی گلوچ کی بوچھاڑ کو معمول بنالیا۔

ہجرتِ مدینہ

مکہ کے مختلف قبائل کے سردار خوف زدہ ہوگئے کہ اگر نیا دین اسی طرح وسعت پذیر ہوتا رہا تو وہ مستقبل میں اقلیت میں بدل جائیں گے۔ چنانچہ وہ اس نئے دین کے پرچار کو روکنے کے لیے آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ طویل صلاح و مشورے کے نتیجے میں تمام قبائل کا نمائندہ مشن ترتیب دیا گیا جسے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا کام سونپا گیا کہ رات کے وقت وہ نبی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو گھیرا ڈال لیں اور اپنے ناپاک مشن کی تکمیل کریں۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی الٰہی نازل ہوئی اور آپ کو کفار کے ناپاک منصوبے سے ہوشیار کر دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے مدینہ ہجرت کا

حکم دیا گیا جو مکہ کے شمال میں 400 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک چھوٹی سی بستی تھی۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے قتل کے ارادے سے آنے والے حملہ آور یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ آنحضرت ﷺ انتہائی خاموشی سے بحفاظت الٰہی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ سورۃ یٰسین کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ جناب ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں ساتھ لے کر مدینہ کے پرمشقت سفر کے لیے روانہ ہوگئے۔ جھلستی دھوپ اور پرصعوبت پہاڑی راستوں پر تھکا دینے والا سفر پیغمبر ﷺ کے بلند حوصلوں کے سامنے سرنگوں ہو چکا تھا۔ راستے میں مختلف مقامات پر آرام کرنے کے لیے توقف کرتے ہوئے کئی دنوں کی مسافت کے بعد جب بالآخر آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو اہالیان مدینہ جن کو پہلے ہی سے آپ ﷺ کے مدینہ کے سفر کی اطلاع مل چکی تھی وہ آپ ﷺ کی جلد اور محفوظ تشریف آوری کے لیے دعائیں مانگتے رہے تھے انکے چہرے آنجناب ﷺ کی آمد پر مسرت وانبساط سے تمتما اٹھے۔

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ مکہ سے باہر ایک سالانہ اجتماع میں مدینہ کے کچھ باسیوں نے نبی اکرم ﷺ کی تبلیغ و تعلم کے نتیجہ میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرلیا ہوا تھا اور کچھ عرصہ قبل مدینہ منورہ میں انہی نومسلموں کے دعوت حق کے نتیجہ میں چندایک اور بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب مضافات مدینہ میں پہنچے تو قبا نامی مضافاتی بستی میں چندروز کے لیے استراحت فرما ہوئے یہ مدینہ منورہ سے تقریباً 3 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اسی بستی قبا میں آپ ﷺ نے اسلام کی سب سے پہلی مسجد، مسجد قبا کی تعمیر کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ آپ کا ورود مدینہ منورہ اسلام کی تاریخ کے واقعات میں اہم تاریخی واقعہ ہے اور اسی روز سے

اسلامی تقویمی سال یا سن ہجری کا آغاز ہوا۔

مدینہ منورہ کی بھرپور مصروف زندگی

مدینہ منورہ پہنچتے ہی سب سے پہلا کام جو حضور نبی اکرم ﷺ نے کیا وہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے تعمیر کی گئی اس کا فرش پتھروں پر مٹی ڈال کر ہموار کیا گیا تھا۔

پیغمبر ﷺ اسلام کے پیروکار اور ساتھی جو مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے آہستہ آہستہ مدینہ منورہ پہنچنے لگے۔ جن میں اکثریت ان صحابہ کرام کی تھی جو مکہ میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ہاتھوں اذیت اٹھانے اور تضحیک کا نشانہ بننے کے بعد اپنا جملہ دنیاوی مال ودولت ترک کر کے مدینہ منورہ آئے تھے۔ ان مہاجرین کے مکی رشتہ دار ابھی تک بدقسمتی سے ایمان نہ لا سکے تھے اور کافر تھے اور ان نومسلموں کی ہمہ وقت تضحیک و تمسخر اڑانے اور پھبتیاں کسنے میں حظ اٹھاتے تھے۔

نبی ﷺ کے سامنے مہاجرین کو اس اجنبی شہر میں بحال اور آباد کرنے کا ایک انتہائی صبر آزما چیلنج درپیش تھا۔ جناب نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر انصار مدینہ نے جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا مہاجرین مکہ کو کھلی بانہوں سے گلے لگایا اور خوش آمدید کہا۔ غیر معمولی قربانی، مہمان نوازی اور تواضع کا مظاہر کرتے ہوئے انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کو اپنے جملہ دنیاوی مال ودولت اور ساز وسامان میں برضا مندی خود حصہ دار بنایا اور اور ہر ممکن کوشش کی کہ مہاجرین اپنے نئے گھروں میں آرام و راحت پا سکیں۔

دوسری طرف کفار مکہ، حضور نبی اکرم ﷺ کے یوں بہ حفاظت حکم الٰہی کے تحت مکہ سے جان بچا کر نکلنے پر غصے میں پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ انہیں اپنے منصوبے کی ناکامی پر شدید رنج تھا۔ انہوں نے فوری طور پر نبی پاک ﷺ کا مدینہ تک تعاقب

کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو جو مدینہ منورہ کی حکمرانی کا تاج اپنے سر پر رکھنے کے لیے تمام تر تیاریاں مکمل کر چکا تھا ایک خط لکھا کہ وہ پیغمبر ﷺ اور انکے ساتھی پیروکاروں کو فوری طور پر مدینہ سے نکال باہر کرے ورنہ وہ ان کے غیض وغضب کا سامنا کرنے کے لیے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔

(البدایہ والنہایہ:258)

اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے آنحضور ﷺ نے فیصلہ کیا کہ مدینہ منورہ کو دین کا مقدس مقام اور اسلام کی وسعت و ترویج کا مرکز بنانے کے لیے اسے شہری ریاست میں تبدیل کرنا چاہیے جہاں پر نہ صرف اسلام کے پیروکاروں کو جان و مال کا تحفظ اور مکمل مذہبی آزادی ملے، بلکہ دوسرے تمام لوگ بشمول یہود قبائل کے جو مدینہ کے رہائشی ہیں ان کو انکے مذہبی عقائد پر عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی، جان و مال اور تجارتی سہولیات میسر ہوں۔ اس طرح دنیا کی تاریخ کا پہلا تحریری آئین معرض وجود میں آیا اور مدینہ منورہ کو شہری ریاست کے طور پر قائم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ (ابن ہشام۔ جلد نمبر 1۔ صفحہ نمبر 503-504)

محمد حمید اللہ (76) اپنے مقالہ ''پہلا عالمی تحریری دستور'' (The Ist Written Constitution in the World) مطبوعہ انگلستان کے 1941 کے ایڈیشن میں بڑی وسیع تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ جناب پیغمبر ﷺ نے ہفتوں یا مہینوں کے اندر مدینہ پہنچنے کے بعد ایک دستاویز تیار کی جس میں مدینہ منورہ کی شہری ریاست کے آئین کی جملہ ضروری تفاصیل درج کر دی گئیں۔ آنحضور ﷺ کے دور سے قبل دین ایک ذاتی معاملہ تصور کیا جاتا تھا اور اس کی کوئی ریاستی حیثیت نہ تھی۔ مختلف ادیان و مذاہب کے پیروکار ایک ہی گھر میں رہا کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل مسائل فوری حل طلب تھے۔

۱۔ مقامی باشندوں کے اور اہل اسلام کے حقوق وفرائض کی وضاحت۔

۲۔ بحالی مہاجرین کے انتظامات

۳۔ شہر کے غیر مسلموں بالخصوص یہودیوں سے سمجھوتہ اور مفاہمت

۴۔ شہر کے سیاسی اداروں کا قیام اور اس کا فوجی تحفظ۔

۵۔ قریش مکہ کے ہاتھوں مہاجرین کے جان و مال کے نقصان کا معاوضہ اور تلافی۔

ظاہر ہے کہ یہ دستاویز جملہ متعلقین سے صلاح ومشورہ کے بعد ضبط تحریر میں لائی گئی۔ اور یہ کوئی معاہدہ قسم کی چیز نہ تھی بلکہ باضابطہ اعلان اور حکم نامے کے طور پر نافذ ہوا۔

بقول ڈاکٹر حمید اللہ ''جناب پیغمبر ﷺ نظم و ضبط اور اتحاد کے علمبردار تھے۔ آپ ﷺ واحد فرماں روا اور یکساں قانون کے اصول کو مدینہ میں خصوصی طور پر اور عرب دنیا میں بالعموم مرکز گریز صورت احوال کی اصلاح کیلئے نافذ کرنا چاہتے تھے''۔

پہلی مرتبہ مرکزی حکومت کو ٹیکسوں کے نفاذ اور وصولی کا حق دیا گیا۔ آنحضور ﷺ نے بطور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اپنی نگرانی میں مرکزی عوامی ادارہ برائے حصول انصاف قائم کیا۔ قبائلی نظام کی لعنت کو ختم کیا اور دیگر ممالک کی مادیت پرست طاغوتی اور مطلق العنان شاہی حکومتوں کے ارباب اقتدار کا خاتمہ کر کے سیاست میں اخلاقی عنصر کو شامل کرتے ہوئے خدائے لم یزل کے مقتدر اعلیٰ ہونے اور تمام اختیارات کا مالک ہونے کا آفاقی قانون رائج کیا۔ اس دستاویز سے پیغمبر اسلام ﷺ کو منصف اعلیٰ، مقنن اعلیٰ، اور ناظم اعلیٰ کے اختیارات حاصل ہو گئے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ عامۃ الناس کے لیے جاری کیے گئے احکام و امتناعات خود انکی ذات پر بھی اسی طرح لاگو ہونگے اس طرح صدیوں پرانا سیاسی نظریہ کہ ''بادشاہ سے کوئی غلطی ممکن نہیں'' زمین بوس ہو گیا۔

کوئی بھی آسانی سے نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ بنی نوع انسان کی تاریخ کی اس پہلی یادگار آئینی دستاویز کا خاکہ تیار کرنے اور اس کے اجراء سے قبل کتنی باریک بینی سے غور وخوض اور صلاح مشورہ کیا گیا ہوگا۔ بنیادی طور پر اس دستاویز سے غیر متفق اہل مدینہ کو متفق کرنے کے لیے اور انکی حمایت حاصل کرنے کے لیے کیا کیا توجیہات و تشریحات پیش نہ کی گئی ہونگی۔ پیغمبرانہ آئین جہانبانی کا یہ عمل ایک بلند ترین کارنامہ تھا۔ جو ایک ''امی'' (لیکن حقیقی علم والے) نے انجام دے دیا۔

کفار مکہ کی یلغار

مدینہ منورہ کی شہری ریاست بمشکل ابھی سیاسی اور انتظامی طور پر منظم ہوئی تھی کہ کفار مکہ کا مدینہ کے مسلمانوں پر شدید یلغار کا خوف سچ ثابت ہوا۔ ہجرت کے پہلے سال کے آٹھویں مہینے سریہ عبیدہ بن حارث وقوع پذیر ہوا (سریہ بمعنی فوجی محاذ آرائی) اس میں ابوسفیان کی زیر سرکردگی کفار مکہ نے مسلمانوں کے ایک گروہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی (تاریخِ طبری 591)

اس طرح دوسری محاذ آرائی ودن نامی مقام پر ہوئی جب اہل ایمان پیغمبر ﷺ کی قیادت میں صف آراء تھے۔

(امتاع الاسماء کا 53۔ ابن ہشام 1-591۔ ابن سعد 2-3)

یہاں یہ بتانا برمحل ہوگا کہ کفار سے جنگی محاذ آرائی کے بارے میں وحی ہجرت کے پہلے سال کے ماہ ذوالحجہ میں نازل ہوئی۔ بعد ازاں پیغمبر ﷺ کے مدینہ کے 10 سالہ قیام میں ان کی زندگی کے آخری دن تک مسلمانوں نے 83 فوجی مہموں اور لڑائیوں میں مدینہ یا اس کے اطراف میں حضور ﷺ کی کمان یا نگرانی میں حصہ لیا۔ ان جنگوں میں قابل ذکر غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق ہیں۔ اس طرح اوسطاً ایک سال میں آٹھ سے زائد جنگیں یا جھڑپیں بنتی ہیں۔

قاری اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو مدینہ کی شہری ریاست کے تحفظ کے لیے حد درجہ مصروف اور فکر مند رہتے ہوئے ہمہ وقت اہل ایمان کو جنگ کے لیے تیاری کی حالت میں بھی رکھنا پڑا۔

اُن ہنگامہ خیز سالوں میں بے رحم اور ظالم کفار مکہ کے ہاتھوں اہل ایمان کو مسلسل جسمانی ایذا رسانیوں سے ختم کرنے کا خطرہ مستقل طور پر درپیش رہا۔

نبی ﷺ ان سالوں میں روئے زمین پر منصف اعلیٰ کے طور پر منصۂ شہود پر رہے۔ اس دوران انہیں بہت سے تنازعات کو فیصل کرنا پڑا۔ جو اہالیان مدینہ ان سے حصول انصاف کے لیے ان کی عدالت عظمیٰ میں لاتے تھے۔ بعض اوقات یہ قانونی تنازعات اہل ایمان کے درمیان ہوتے تھے اور کبھی یہ اہل ایمان اور کفار کے مابین ہوتے جن کی اکثریت یہودی فرقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ عدالت نبوی کے احکامات کو فریقین قبول کرتے اور ان پر عملدرآمد بھی کرتے۔

مدینہ کی شہری ریاست کے انتظامی مسائل سے پیغمبر کو سامنا رہا اور نبی ﷺ باقاعدگی سے ان سے بھی عہدہ برآ ہوتے رہے اور ان کے حل کے لیے مناسب احکامات جاری کرتے رہے۔

ان تمام امور کے علاوہ عقیدہ توحید کی ترویج و تبلیغ کے اصلی ہدف کی طرف نبی ﷺ انتہائی جوش و جذبہ سے بڑھتے رہے۔ اسلام انتہائی سرعت رفتاری کے ساتھ پھیل رہا تھا اور ہر آنے والا دن نقیب کی طرح کثیر تعداد میں کفار کے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتا رہا۔ غزوۂ بدر میں حضور ﷺ کے زیر کمان صحابہ کرام کی تعداد 313 تھی۔ ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ اُحد کے وقوع پزیر ہونے تک مسلمانوں کی تعداد 700 تک جا پہنچی۔ ہجرت کے آٹھویں سال پیغمبر ﷺ دس ہزار مسلمانوں پر مشتمل ایک طاقتور لشکر جرار کے ساتھ چند معمولی جھڑپوں کے بعد مکہ میں داخل ہوئے اور مکہ

آپ کے زیر تسلط آ گیا جہاں پر آپ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

اہل مکہ جنہوں نے قیام مکہ کے دوران حضور ﷺ اور ایمان لانے والوں کو ستانے کی حد کر دی تھی حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں بھی انکی زندگیاں اجیرن کر دی گئیں۔ اس فراخدلانہ معافی کے اعلان پر حیرت زدہ رہ گئے اور نتیجتاً ان کی ایک بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ (ابن ہشام۔2-397)

جناب پیغمبر ﷺ نے ہجرت کے دسویں سال حج ادا کیا اور ناقابل تردید حقائق کے مطابق یہ یادگار حج قریباً ایک لاکھ اہل ایمان کی معیت میں ادا کیا گیا۔

ظاہر ہے ہر نو مسلم کو شرف باریابی بارگاہ پیغمبر ﷺ عطا ہوا اور اسلام کے بنیادی عقائد اور پند و نصائح سے بھی نوازا گیا۔ چنانچہ اس بات سے اچھی طرح سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ روزمرہ کے معمولات کے علاوہ اس مسلسل تبلیغی عمل کو آگے بڑھانے پر پیغمبر ﷺ کا کتنا وقت صرف ہوتا ہوگا۔ دیگر متفرق مصروفیات کے علاوہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس جوش و ولولے کے پیش نظر کہ خدائے لم یزل کا پیغام تمام لوگوں تک پہنچے۔ ایمان لانے کی خواہش کا اظہار کرنے والے ہر شخص کو مسجد میں پیغمبر سے ملاقات کرنے اور ایمان لانے کا اعلان کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ حتیٰ کہ آرام کے اوقات میں بھی کہ جب آپ دن کی تھکا دینے والی مصروفیات سے فارغ ہو کر کچھ دیر ستانے کی تیاری میں ہوتے کہ دروازے پر اسلام لانے والے کی پکار پر آپ کو پھر آرام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہونا پڑتا۔ اس صورت حال کے پیش نظر کہ پیغمبر ﷺ کے لیے آرام کے اوقات کو یقینی بنایا جاسکے مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ وحی نازل ہوئی۔

"جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں ان میں اکثر کو عقل نہیں اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر اور (انتظار)

کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود باہران کے پاس آجاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا (کیونکہ ادب کی بات تھی) اور اللہ غفور رحیم ہے''۔(الحجرات آیات 4)

پیغمبر اسلام ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع فرمایا اور واپس مدینہ تشریف لے آئے اور نفاذ وترویج اسلام کے مشن کو مکمل کر کے ہجرت کے گیارہویں سال اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے۔

قاری اگر چاہے تو کتاب ہذا کے تعلیقات میں ان تمام غزوات اور جنگی/فوجی مہمات جو سرکار دو عالم ﷺ کی زیر کمان اور زیر نگرانی لڑی گئیں کی تفاصیل سے استفادہ کرتے ہوئے ایک واضح تصور قائم کرسکتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی مدنی زندگی کس قدر تفکرات سے بھرپور زندگی تھی۔ یقیناً یہ مغربی نقادوں کے اس پراپیگنڈہ کو کہ آنحضور ﷺ کی مدنی زندگی کس قدر کشاکش سے بھرپور تھی یکسر زائل کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

مدینہ منورہ آنحضور ﷺ کی مصروف زندگی کے بارے میں ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ (D.S. Margoliouth) اپنی تصنیف ''محمد اینڈ رائز آف اسلام'' (Muhammad and Rise of Islam) میں رقم طراز ہے۔

''مکہ سے ہجرت کے بعد پیغمبر ﷺ نے ایک محنتی خودمختار فرماں روا کی طرح، فوجی مہمات کو بھی منظم کیا، ملاقاتیوں کو شرف باریابی بخشا۔ سفارت کار بھیجے، دعوت اسلام کے لئے خطوط بھی لکھوائے ان کے علاوہ شکایات اور عرضداشتیں سن کر انصاف بھی بہم پہنچایا اور قانون کی تشریحات اور توضیحات بھی بتائیں۔ ایک دن کا آرام بھی اپنے لئے روانہ رکھتے ہوئے انہوں نے مسلسل

کام کیا۔ ہمہ وقت لوگوں کو سننے اور مشاورت کے لیے تیار رہتے اور کوئی بھی موضوع ہو عنان فیصلہ اپنے ہاتھوں میں رکھتے۔ اور اس دنیا سے رحلت فرمانے تک ہر لحظہ پھلتی پھولتی اور وسعت پذیر اہل ایمان کی جماعت جس کی بنیاد خود انہوں نے رکھی اور جس کے وہ خود دینی و دنیاوی منتظم تھے، کے جملہ خارجی و داخلی امور کی خود نگرانی کرتے رہے۔ مگر آخری دور میں ایک مکمل مذہبی نظام، مرتب و تشکیل دیکر جملہ امور ریاست کو مختلف نمائندگان کے سپرد کر دیا تا کہ وہ ان امور کو سرانجام دیتے رہیں"۔

مذکورہ مولف آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"ایک سپہ سالار، مقنن، منصف اور سفارت کار کی حیثیت سے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور مبلغ و معلم اپنے فرائض کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ تمام ممکنہ مسائل کے حل کے لیے ہمیشہ انکی رائے طلب کی جاتی اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے اپنی صائب رائے سے انہیں حل نہ کر دیا ہو"۔

باب چہارم

پیغمبر جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثیر الازواجی زندگی

54 سال سے 60 سال کے سن مبارک کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے شادیاں کیں مگر 60 سال کی عمر کے بعد اپنی رحلت تک انہوں نے کوئی نئی شادی نہیں کی۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

جیسا کہ اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد سیّدہ سودہؓ سے شادی کی جو بیوہ تھیں اور انتہائی مشکل حالات سے دوچار تھیں۔ اسی دوران ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (جو بعد میں اسلام کے خلیفہ اول کے عہدہ پر متمکن ہوئے) نے اپنی ہونہار اور ذہین بیٹی سیّدہ عائشہؓ کا رشتہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کیا۔ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکرؓ کے لیے خیر سگالی اور احترام کا گہرا جذبہ رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

''میں نے ہر کسی کی خدمات کا صلہ دیدیا ہے مگر ابوبکر کی عدیم المثال جان نثاری کا صلہ خود اللہ دے گا''۔

پس سیّدہ عائشہؓ کے ساتھ شادی کی اصل وجہ یہی تھی کہ وہ جناب ابوبکرؓ جوان کے عظیم ترین حامی اور پیروکار تھے کو مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور بعد ازاں اس شادی کے لیے حکم الٰہی بھی نازل ہوا۔

سیّدہ عائشہؓ اور سیّدہ سودہؓ کے ساتھ عقد کے بعد جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار شادیاں نہ کرتے مگر سرکش قبائل کے غم وغصہ کو ٹھنڈا کرنے اور تکمیل مشن کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کی بیٹی سیّدہ حفصہؓ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور زوجہ محترمہ غزوہ بدر

کے ایک شہید (قیس بن خذافہ القرشی السہمی) کی بیوہ تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے ساتھ شادی کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد محترم جو ایک زبردست جنگجو مجاہد تھے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ازدواجی الحاق کر کے دوسرے پیروکاروں کی برابری چاہتے تھے تعلقات کو مزید مستحکم و مضبوط کر دیا۔

اس کے بعد اگلی خاتون سیّدہ زینبؓ بنت خزیمہ تھیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ پہلے خاوند سے مطلقہ تھیں ان کے دوسرے خاوند غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے تھے، ان کے والدین جو مکہ کے رہنے والے تھے وہ غیر مسلم تھے۔ اپنے دوسرے خاوند کی شہادت کے بعد انکی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جذبہ ترحم کے ساتھ انہیں اپنے حرم میں داخل کر لیا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آنے کے بعد وہ زیادہ دیر حیات نہ رہیں اور اغلباً تین ماہ کے اندر رحلت فرما گئیں۔

ان کے بعد مقدس حرم نبوی میں داخل ہونے والی خاتون سیّدہ امّ الہند بنت سہیل (سیّدہ اُمّ سلمہ) تھیں جو مدینہ میں اپنے خاوند عبداللہ کے ساتھ رہنے کے لیے پہنچیں مگر عبداللہ جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور انہیں ایک نوعمر بچی اور ایک بچے کے حمل کے ساتھ بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں چھوڑ کر چل بسے۔ وہ اپنے والد کے پاس واپس مکہ نہ جا سکتی تھیں اور نہ ہی مدینہ میں دیگر کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا تھا۔ انہوں نے اپنی زبوں حالی جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کی تو انہوں نے انکو اپنی زوجیت میں لے کر حرم نبوی میں داخل کر لیا۔

گرچہ حرم نبوی میں جواں سال سیّدہ عائشہؓ اور سیّدہ حفصہؓ کے علاوہ بے سہارا ادھیڑ عمر اُمّہات المومنین سیّدہ سودہؓ اور سیّدہ سلمہؓ جو ان کے عقیدت مند پیروکاروں کی بیوائیں تھیں موجود تھیں مگر قبیلہ بنو مصطلق کی ایک اور بے کس خاتون سیّدہ جویریہؓ کو بھی آپ نے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ وہ اسیر جنگ ہو کر ایک سپاہی کے حصے میں آئیں

مگران کی رحم کی اپیل پر پیغمبر ﷺ نے ہمدردانہ اور غمگسارانہ ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے انہیں فدیہ دیکر آزاد کرالیا اور اپنی زوجگی میں قبول کرنے کا شرف بخشا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس رشتے اور قرابت داری کو قائم کر کے حضور ﷺ نے اپنی دانشمندی سے اسلام کو مزید استحکام بخشا۔

اس کے بعد حکم الٰہی سے پیغمبر ﷺ کو ایک اور خاتون سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا پڑا۔ نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن سیّدہ زینب بنت جحش کو جناب زید بن حارث جو آزاد شدہ غلام تھے اور حضور ﷺ کے متبنیٰ تھے کے نکاح میں دے دیا تھا اس عالی نسب خاتون نے اس آزاد غلام سے انتہائی توہین آمیز سلوک روا رکھا اور وہ نبی ﷺ کے انتباہ کے باوجود اسے طلاق دینے پر مجبور ہو گئے۔ اور پھر جب اس خاتون کو طلاق ہو گئی تو انکی نگہداشت کی ذمہ داری حضور ﷺ پر یوں آ گئی کہ سیّدہ زینبؓ کے خاندان نے انکی شادی زید بن حارثؓ سے حضور ﷺ کی یقین دہانی پر کرائی تھی۔ طلاق کے بعد کوئی اعلیٰ نسب عرب، ایسی خاتون جسے ایک سابقہ غلام نے فارغ کر دیا تھا اپنانے کے لیے تیار نہ تھا۔ پیغمبر ﷺ نے اپنا عہد اور قول نبھاتے ہوئے خود سیّدہ زینب کو اپنی زوجیت میں قبول کر لیا اور رب کریم کے اس حکم کی بجا آوری کو پیغمبر ﷺ کے پسندیدہ اور بہترین دنیاوی اعمال میں گردانا گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ''میری بات اللہ کے احکامات سے متصادم نہیں مگر اللہ میری بات کی تردید کر سکتا ہے''۔

واقعاتی طور پر سیدہ زینبؓ کے اس معاملے نے بالواسطہ طور پر شادی سے پہلے عورت کی مرضی اور خواہش کا خاص دھیان رکھنے کے مسلمہ اسلامی امتیازی سلوک کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر دیا۔ زبردستی کی شادیوں کو اسلام تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا شادی میں ایجاب و قبول کے اصول کو غیر اہم نہیں سمجھنا چاہیے۔ اسلام میں شادی کے معاملہ

میں فیصلہ کن رائے لڑکی کی ہوتی ہے۔ چونکہ سیّدہ زینبؓ اوران کے عزیز واقارب ان کی جناب زید بن حارثؓ سے شادی پر خوش نہ تھے تو خدائے قدوس نے خود سیّدہ زینبؓ کی دستگیری کی۔ اس واقعہ سے فیصلہ کن طور پر کفارعرب میں مروج دستور یعنی متبنّیٰ یا لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھنے کے رواج کو خلاف عقائد اسلام قرار دے دیا گیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدہ ام حبیبہؓ رملہ بنت ابوسفیان سے شادی کی جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کا ایک کٹر دشمن تھا۔ یہ شادی خالصتاً ایک رحمت ثابت ہوئی اور ابوسفیان کی جناب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے دشمنی آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی۔

اس شادی کے فوراً بعد غزوۂ خیبر کی جنگی قیدی سیّدہ صفیہؓ جو پیدائشی طور پر ایک یہودی شریف زادی تھیں کو حرم نبوی میں پناہ گزین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور نتیجتاً اس شادی سے عبرانی النسل قبائل سے سیاسی بھائی چارہ قائم ہوگیا۔ اسکے بعد یہودیوں نے اسلام کی مخالفت ترک کردی کیونکہ ان کے رواج کے مطابق جن خاندانوں میں اپنی بیٹیوں کا رشتہ کردیتے انکی عزت واحترام ان پر لازم ہوجاتی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عقد سیّدہ میمونہؓ سے خالصتاً سیاسی رشتہ تھا۔ ان کے والد جناب حارث قبیلہ بنو ہوازن کے طاقتور سردار تھے اور اس محترم خاتون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی سے اسلامی عقائد کو پھلنے پھولنے میں مہمیز ملی۔ آپ مسلمانوں کے عظیم جرنیل خالد بن ولید کی خالہ تھیں اور دومرتبہ بیوگی دیکھ چکی تھیں اور خالد بن ولید کو مائل بہ اسلام کرنے میں ان کی کوششیں کارگر ثابت ہوئیں۔ اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ساٹھ برس تھی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ امر ثابت کردیا کہ انکی کسی سے کوئی دشمنی نہ تھی۔

سیّدہ ماریہ قبطیہ کو مصر کے فرماں روا نے آپ کی خدمت میں پیش کیا حضور اکرم

ﷺ نے اُن سے آزاد کرنے کے بعد بارہویں شادی کر لی۔ فرماں روائے مصر اس پر خوش ہوا اور اس کی اسلام دشمنی ٹھنڈی پڑ گئی۔

اس حقیقت کی روشنی میں کہ نبی ﷺ نے دو کنواری خواتین سیّدہ عائشہ اور سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ جتنی دیگر خواتین کو بطور ازواج مطہرات حرم نبوی میں داخل کیا یا تو وہ بیوائیں تھیں یا پھر مطلقہ۔ چنانچہ نبی ﷺ سے متعلق قائم کیا گیا جنس پرستی پر مبنی الزام یکسر مسترد ہو کر زمین بوس ہو جاتا ہے۔ کیا ایک جنس پرست انسان جو مدینہ کی نومسلم ریاست کا مختار کل اور سیاہ و سفید کا مالک ہو۔ بیواؤں اور طلاق یافتہ خواتین کو اپنے حرم پاک میں داخل کرتا۔ حالانکہ حضور ﷺ کا کسی بھی کنواری خاتون سے شادی کرنا چنداں مشکل نہ تھا۔ مستشرقین اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔؟

سیاسی فوائد

وحی الٰہی سے رہنمائی حاصل کرنے والے پیغمبر ﷺ اسلام نے ان شادیوں سے مسلمانوں کے لیے بہت سے سیاسی فوائد حاصل کئے۔ عرب معاشرے میں ایک ایسا رواج تھا جسے قانون سمجھا جاتا تھا کہ اگر کوئی آدمی یا ایسے معاملے میں کوئی مخصوص قبیلہ جو دوسرے آدمی یا قبیلہ سے دشمنی رکھتا تھا آپس میں شادی کے بندھن میں بندھ جاتا تو ایسے آدمی یا قبائل اپنی آئندہ زندگی میں سابقہ دشمنیوں اور مخالفتوں کو یکسر ختم کر دیتے۔ یہ بات انتہائی اہم اور معنی خیز ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تمام ازواج مطہرات مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں کیونکہ طلوع اسلام کے وقت تمام کفار مختلف قبائل کی حیثیت سے عرب میں رہتے تھے۔

سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ بنو عزیٰ سے تھا۔

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنو شمس کی شاخ سے تھیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنو تیم قبیلہ سے تھیں۔

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ بنو عدی سے تھا۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ قبیلہ بنو ہوازن سے تھیں۔

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ بنو مخزوم تھا۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنو مصطلق سے تھیں۔

سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ کا نام بنو امیہ تھا۔

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا یہودی قبیلہ بنو نضیر سے تھیں۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنو ہوازن سے تھیں۔

سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق مصر سے تھا۔

مختلف قبائل میں شادیوں کی وجہ سے ان کی اسلام دشمنی کو بالکل ختم کر دیا گیا اور اس طرح ابھرتے ہوئے عقیدہ اسلام کو زبردست سیاسی تقویت حاصل ہوئی۔ ان قبائل کے بہت سے لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رابطہ کیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

ڈبلیو منٹگمری واٹ (W. Monttgomery Watt) لکھتا ہے:۔

''جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کے بارے میں آخری خاص بات جو زیر نظر ہے وہ یہ ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے اور اپنے قریب ترین ساتھیوں کے تعلقات اور وسیع ترین سیاسی مفادات کے حصول کے لیے استعمال فرمایا۔ اور یہ بلاشبہ قدیم تر عرب دستور کا تسلسل تھا۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کو بنظر غائر دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے ان کا مطمع نظر صرف سیاسی دائرہ کار میں دوستانہ مراسم کو آگے بڑھانے کے لیے تھا''۔

سیاسی فوائد کی چند مثالیں

عرب کے طاقتور قبائل میں سے قبیلہ بنو مصطلق عقیدہ اسلام کا کٹر دشمن تھا اور مذہبی نظریاتی تصادم میں مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف کفار مکہ کا حلیف ہوتا تھا مگر جونہی سیّدہ جویریہؓ بنت حارث حرم نبوی میں داخل ہوئیں یہ دشمنی ختم ہوگئی اور کچھ ہی عرصہ بعد ان کے والد حارث جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور اسلام قبول کر لیا۔ بعد ازاں تمام قبیلہ ان کے نقش قدم پر چلتا ہوا حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ اور اس سے ترویج اسلام کے نصب العین کو حیران کن حمایت حاصل ہوئی۔

اسی طرح ام المومنین سیّدہ ام حبیبہؓ کے والد جناب ابوسفیان جو اہل مکہ کی ممتاز شخصیت تھے اور انہیں اتنا احترام دیا جاتا تھا کہ وہ مکہ کے تمام قبائل کے مشترکہ جھنڈے کے محافظ مقرر کیے گئے تھے اور جب کبھی کسی بیرونی دشمن کے خلاف جنگ لڑنا ہوتی تھی تو وہ اپنے گھر کے باہر جھنڈا لہراتے تو قبائلی دستور اور رواج کے مطابق ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تمام اہل مکہ ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور مشترکہ طور پر دشمن کے مقابلہ کے لیے مسلح ہو کر آگے بڑھتے۔ سیّدہ ام حبیبہؓ کی آنحضرت ﷺ سے شادی کے بعد ابوسفیان جو اس شادی سے قبل اسلام کے کٹر دشمنوں میں سے ایک تھا اپنے پیروکاروں سمیت اسلام کے لیے نرم گوشہ رکھنے لگا۔ حتیٰ کہ اپنی بیٹی سیّدہ ام حبیبہؓ کی پیغمبر ﷺ کے ساتھ شادی کے بعد اس نے مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ فتح مکہ کے وقت آٹھویں سن ہجری میں اس نے مسلمان حملہ آوروں سے کوئی تعرض نہ کیا اور اس کے فوراً بعد مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

خالد بن ولید اپنے دور کا عظیم ترین جنگجو تھا۔ اور اسی کی کمان میں جنگ اُحد میں کفار مکہ نے اہل مدینہ کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا اور مسلمانوں کی 700 افراد پر

مشتمل فوج میں سے 72 شہید ہو گئے اور جناب رسول اکرم ﷺ خود بھی اس جنگ میں زخمی ہوئے۔ ام المومنین سیّدہ میمونہؓ جناب خالد بن ولید کی قابل توقیر خالہ تھیں ان سے وہ از حد محبت کرتے تھے کیونکہ آپ نے انہیں پالا پوسا تھا۔ ام المومنین سے شادی کے بعد خالد بن ولید نے مسلمانوں پر کسی مزید حملہ میں شمولیت نہیں کی بلکہ کچھ ہی عرصہ بعد مدینہ منورہ آئے اور آنحضرت ﷺ سے شرف باریابی حاصل کر کے اسلام کے گوشۂ عاطفت کے مکین ہو گئے اور اسکے بعد انہوں نے اسلام کے لیے ایسے مجاہدانہ اور یادگار معرکے انجام دیئے کہ انہیں سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کے لقب سے نوازا گیا۔ سیّدہ میمونہؓ ام المومنین کی ایک بہن نجد کے ایک قبیلہ کے سردار کی بیوی تھیں جو کہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ سیّدہ میمونہؓ کی پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ شادی کے بعد اس نے اسلام دشمنی ختم کر دی اور آہستہ آہستہ مائل بہ تعلیمات اسلام ہونے لگا اور بالآخر مسلمان ہو گیا۔

ام المومنین سیّدہ صفیہؓ سے شادی سے قبل مسلمانوں کی تمام دفاعی جنگوں میں اہل یہود نے نمایاں طور پر مسلمانوں کے خلاف مؤثر طور پر حصہ لیا مگر سیّدہ صفیہؓ کی آنحضرت ﷺ سے شادی کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف کسی مسلح مہم جوئی میں شرکت نہ کی۔

دیگر فوائد

نومسلم خواتین کے اندر آہستہ آہستہ اسلامی تعلیمات و تبلیغ کا شعور جاگزین کرنا وقت کی اہم معاشرتی ضرورت تھی۔ ان کی روزمرہ زندگی کے مختلف پہلو بشمول ازدواجی زندگی کے مسائل عقیدہ اسلام کی روح کے عین مطابق حل طلب تھے۔

مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والی خواتین سے شادیاں کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ کو اس فریضہ کی ادائیگی کے حوالے سے کافی اعانت ملی چنانچہ ازواج مطہرات نومسلم

پیروکار خواتین کے مختلف النوع مسائل بشمول انکی ازدواجی زندگی کے معاملات پر مبنی سوالات کے تسلی بخش جوابات مرحمت فرماتیں۔ اور اس طرح اسلام کی تعلیمات کے مقصد کا حصول ہوا۔

کثرت الازواج کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے جذبہ ترحم اور صلہ رحمی کی پیش نظر ام المومنین سیّدہ عائشہؓ اور ام المومنین سیّدہ ماریہ قبطیہؓ کے علاوہ دیگر تمام ازواج مطہرات کو جو یا تو مطلقہ تھیں یا بیوہ اور جن میں سے بعض کے ساتھ کچھ بچے بھی تھے۔ تحفظِ حیات اور نان ونفقہ مہیا کرنے کے لیے حرم نبوی میں داخل کر لیا۔

کفار کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کے عقیدت مند ساتھیوں کو مجبوراً جنگیں لڑنا پڑیں ان میں آنحضرت ﷺ کے بہت سے جان نثار ساتھی شہید ہو گئے اور انکی بیوائیں بے آسرا اور بے سہارا ہو گئیں جن کے پاس نان ونفقہ کے ذرائع بھی مفقود تھے۔

غزوہ بدر میں پیغمبر ﷺ کے 313 ساتھیوں میں سے 13 اور جنگ اُحد میں 700 ساتھیوں میں سے 72 شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے جنگ اُحد کے دو شہدا کی بیواؤں یعنی سیّدہ ام اسلمیٰؓ اور سیّدہ حفصہؓ کو حلقہ زوجیت میں لیکر اپنے پیروکاروں کے لیے شاندار مثال قائم کر دی کہ وہ بھی اپنے مقتول ساتھیوں کی بیواؤں کے ساتھ عقد کر لیں اور جنکا کوئی آسرا سہارا نہ رہا تھا ان کو مدینہ کی نئی شہری ریاست میں کفالت فراہم کریں۔

اسی طرح سیدہ زینبؓ بنت جحش کے ساتھ شادی نے مدتوں پرانی فرسودہ رسم کو کہ متبنّیٰ یا لے پالک کی مطلقہ بیوی یا بیوہ سے شادی نہیں ہو سکتی یکسر ختم کر دیا۔

نتائج وثمرات

سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو اپنی پچیس سالہ مجرد زندگی کو شاندار مثالی زندگی کے طور پر پیش کیا اور پھر پچاس سال کی عمر کے بعد ادھیڑ عمر بیواؤں اور مطلقہ خواتین سے کثیر الازدواجی زندگی بھی مثالی تھی۔ گویا ہر پہلو اور ہر زاویہ سے ان کی ذات فی الواقعی انسانیت کے لیے ایک بہترین عملی نمونہ تھی جو کثیر الازواجیت کے بغیر ناممکن تھا۔

اس سے قبل مطلقہ خواتین کو کمتر اور حقیر سمجھا جاتا تھا اور عہد اسلام سے قبل انہیں نکاح ثانی کی اجازت نہ تھی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقہ خواتین سے شادی کر کے یہ سبق دیا کہ نہ صرف ان سے شادی کرنا قانون فطرت کے عین مطابق ہے بلکہ انتہائی پسندیدہ اقدام ہے تاکہ ان سے شادی کر کے انہیں معاشرہ میں ایک باعزت مقام دیا جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ شادیاں محض اجتہادی وجوہات کے سبب تھیں تاکہ معاشرے میں رائج جاہلانہ دور کی رسومات بد کا قلع قمع کیا جا سکے۔ ظہور اسلام سے قبل لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹے کا درجہ دیا جاتا تھا اور اسے حقیقی بیٹے کے مساوی حقوق و مراعات کا حقدار سمجھا جاتا تھا مگر اسلام نے اسے یکسر منسوخ کر دیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لے پالک بیٹے زید بن حارثؓ کی مطلقہ سیّدہ زینب بنت جحش کو اپنی زوجیت میں لے کر اس رسم کی بیخ کنی کا عملی مظاہرہ کیا۔ زید بن حارثؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آزاد کردہ غلام تھا۔

سیّدہ اُم سلمہؓ سے آپ کی شادی کے بعد سوتیلے بچوں کو زیور تعلیم سے سنوارنے کے علاوہ انہیں اچھی تربیت دیکر اسلام کے لیے مفید بنانے کی سنت قائم کی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائل اور سماجی و معاشرتی حیثیتوں کی خواتین کو حرم نبوی

میں داخل کر کے اپنی نجی زندگی کی مصروفیات کو دائمی طور پر بنی نوع انسان کے لیے ایک مثالی نمونہ قائم کر دیا۔

علاوہ ازیں کئی شرعی اصول وقوانین جو خواتین کے حقوق وفرائض کے بارے میں تھے انہی پڑھی لکھی امہات المومنین کے ذریعے نافذ ہوئے۔قرآن کریم کا اصلی نسخہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت میں رہا اور نبی کریم ﷺ کی متعدد حدیثوں کی راویہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

یہاں پر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جناب محمد ﷺ ان سالوں میں کن حالات وواقعات میں زندگی بسر کرتے رہے۔جیسا کہ باب ششم میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ کوئی عیش وعشرت کی زندگی نہ تھی جو اس عرصہ میں حضور ﷺ گزارتے رہے۔اس وقت تمام خطہ عرب آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی آگ میں جل رہا تھا اور آپ ﷺ کے دشمن آپ کا نام ونشان مٹانے پر تلے تھے۔کیا یہ ایک پر تعیش جنسی تلطف کی زندگی گزارنے کا مناسب وقت تھا۔؟

جناب پیغمبر ﷺ روحانی مشن کی تکمیل کی خاطر بلا تکان کفار کو بت پرستی ترک کرنے کی تلقین کرتے رہے حالانکہ ان کے ہاتھوں پیغمبر ﷺ کو خود اپنی زندگی کا خطرہ لاحق تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قبیلہ قریش کے کچھ سردار اسلام کی وسعت پذیری پر بہت فکر مند تھے انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں حاضری دی اور کہا اگر آپ سردار بننے کے لیے بیقرار ہیں تو ہم آپ ﷺ کو سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں اگر آپ ﷺ مالدار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ ﷺ کو زر کثیر اکٹھا کر کے پیش کر دیتے ہیں اور اس قدر دولت کہ جو نہ صرف آپ ﷺ بلکہ آپکی آئندہ نسل کے لیے بھی کافی ہوگی اور اگر جنسی تسکین کے خواہش مند ہیں تو قبیلہ قریش کی

10 خوبصورت دوشیزائیں آپ ﷺ انتخاب کرلیں ۔۔۔۔ پیغمبر اسلام ﷺ خاموش رہے اور جواباً صرف قرآن پاک کی ایک آیت سنادی۔ یہی واحد واقعہ ہی نبی ﷺ پر جنسیت پرستی کے الزامات کی تردید کے لیے کافی ہے۔

جان گلب (John Glubb) کہتا ہے:۔

''یہ قابل غور ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی جوانی میں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے چھ بچوں کو جنم دیا جبکہ دیگر بارہ ازواج مطہرات سے ماسوائے سیدہ ماریہ قبطیہؓ جو مصری النسل کنیز تھیں کے ایک بیٹے کے، دوسری ازواج سے کوئی اولاد نہ تھی۔ اگرچہ آپ ﷺ کی زیادہ تر ازواجِ مطہرات عالم شباب میں نہ تھیں لیکن اولاد پیدا کرنے کے قابل تھیں مگر مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس بہت قلیل وقت تھا اور اکثر آپ جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ کا شکار رہتے تھے۔ بالخصوص جب آپ ﷺ کی عمر پچاس سال اور مابعد ساٹھ سال سے اوپر تھی تو یہ حالات ایسے نہ تھے کہ کوئی شخص جنسی تسکین کیلئے شادیاں رچاتا پھرے''۔

جی۔ ایل۔ بیری (G.L Berry)(77) ان شادیوں کے اصل سبب کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

> ''زندگی کے آخری چند سالوں میں متعدد شادیوں کا سبب غالباً انسانی ہمدردی اور جذبۂ ترحم کے تحت اپنے پیروکاروں کی بیواؤں کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ اور یقیناً جنسی تشفی کے لیے ایسا نہیں کیا گیا''۔

سٹینلے لین پول (Stanlay Lane pool) نبی ﷺ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے شہوانیت پرستی کے جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کی یوں نفی کرتا ہے:۔

''انہوں ﷺ نے کبھی اپنی کسی بیوی کو طلاق نہیں دی جو کہ

ماسوائے دو کے تمام بیوائیں تھیں۔ اور ان میں بہت سی شادیاں یقیناً اس جذبہ کے ساتھ کی گئیں کہ وہ خواتین جن کے خاوند عقیدہ اسلام کے تحفظ کے لیے لڑی جانے والی جنگوں میں شہید ہو گئے اور اب وہ اس طرح اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے حضور ﷺ کی کریم النفسی کی دعویدار تھیں۔ جنکی خاطر انہوں جہاد کیا۔ دیگر شادیاں وسعت اسلام کی حکمت عملی کے اسباب کے طور پر کی گئیں۔ تاکہ مخالف دھڑوں سے مصالحت کی صورت قائم ہو جائے''۔

ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ (D.S. Margoliouth) کی تصنیف ''محمدؐ اینڈ رائز آف اسلام'' (Muhammad and Rise of Islam) میں انہی محسوسات کی صدائے بازگشت ہے:۔

''ان کی بہت سی شادیاں مصلحتوں پر مبنی تھیں۔ نبی ﷺ اپنے سرکردہ پیروکاروں کو اپنے قریب سے قریب تر لانے کے لیے فکر مند تھے اور بلاشبہ جناب ابوبکر صدیق اور جناب عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹیوں سے شادیوں کا یہی محرک تھا۔ علاوہ بریں آپ نے اپنے سیاسی مخالفین یا شکست خوردہ دشمنوں کی بیٹیوں کو حرم نبوی ﷺ میں بطور اُمّ المومنین داخل کیا یہ ایک مختلف قسم کی سیاسی حکمت عملی تھی''۔

جی۔ ڈبلیو۔ لیٹنر (G.W. Leitner) (78) نبی ﷺ کے تعدد الازواج کے اسباب کے گہرے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے:۔

''اچھا یہ بتلایئے کہ پیغمبر ﷺ پر لگائے گئے جنسیت پرستی کے الزامات کی

اچھی، بری یا مشکوک شہادتوں کی بنیاد کیا ہے؟۔ میں بلا تامل تصدیق کرتا ہوں کہ میں ہر الزام کے ماخذ تک پہنچا ہوں اور ہر الزام مکمل طور پر بلا ثبوت نکلا۔ جبکہ اس کے برعکس یہ بات نبی ﷺ کے لئے موجب افتخار ہے کہ انہوں نے بے شمار ترغیبات کے باوجود بدرجہ اتم پاک دامنی کو محفوظ رکھا جو ایسے معاشرے میں عنقا تھی۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آخری عمر میں ان کی کثیر الازواجیت کا سبب اپنے ستم رسیدہ پیروکاروں کی بیواؤں کو تحفظ فراہم کرنے اور بہتر زندگی گزارنے کا موقع دینا تھا۔ ایک شادی شدہ انگریز عورت سے ایک شادی شدہ مسلمان خاتون بہتر قانونی حقوق رکھتی ہے اور جمہوریہ فرانس کی عورت کے حقوق کے برعکس مسلمان خاتون کی گواہی قابل قبول ہے۔ مگر اول الذکر کو اس بنیادی معاملے میں قابل اعتماد نہیں سمجھا جاتا۔

فرتھج آف شوہان (Frithj of Schuon)(79) کے مطابق جناب پیغمبر ﷺ کی زندگی کا روحانی پہلو آپ کی دنیاوی مصروفیات اور جنسی چاہتوں کی مکمل نفی کرتا ہے:۔

''ان ﷺ کی زندگی مافوق البشر شاندار روحانی قوتوں سے عبارت تھی۔ آپ ﷺ نے شادیاں بھی کیں مگر ان شادیوں کی حکمت عملی سے دنیاوی اور سماجی حلقوں میں اپنا مقام بنایا۔ ہم یہاں صرف دین کی تکذیب اور بے حرمتی کرنے والے حلقوں کا ذکر نہیں کر رہے بلکہ پوری دنیا کو ایک حقیقی وحدت تصور کرتے ہوئے انسانی اجتماعی زندگی کے حوالے سے اوتارانہ خصائص و عادات کے حامل اور روحانی دنیا کے پیشوا پیغمبر اسلام ﷺ کو دیکھتے ہیں کہ نفاذ اسلام کے لیے انہوں نے مختلف اوقات و ادوار میں کیا حکمت عملی اختیار کی۔ ان کی اتقاء اور پارسائی کے پہلو پر نظر ڈالیں اور ان کی عسرت اور غریبوں سے پیار، شب بیداری، چوکسی اور فاقہ کشی پر توجہ مرکوز کریں تو کچھ لوگ بلاشبہ یہ اعتراض کرتے نظر آئیں گے کہ کثیر الازواجیت اور زہد و تقویٰ

متضاد اور مختلف چیزیں ہیں مگر یہ امر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ کہ اولاً ازواجی زندگی غربت، شب بیداری اور فاقہ کشی کی سختی کو ختم نہیں کرتی ہے اور نہ ہی انہیں آسان بناتی ہے۔ ثانیاً پیغمبر اسلام ﷺ کے لیے شادی میں روحانیت کا پرتو تھا۔ جیسا کہ ایسے انسان کی زندگی میں ہر چیز مابعد الطبیعاتی طور پر ان کے شفاف طرز عمل کی آئینہ دار ہوتی ہے اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو پیغمبر ﷺ کی اکثر شادیاں اپنے اندر ایک سیاسی پہلو رکھتی ہیں۔ ایسی مقدس اہمیت کی حامل سیاست جس کا مقصد اللہ کی زمین پر اس کی حاکمیت قائم کرنا ہو۔ آخری بات یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں پارسائی کی لاتعداد مثالیں قائم کیں۔ خصوصاً اپنی جوانی کے ان ایام میں جب جذبات بے لگام ہوتے ہیں۔ اس لئے اس ضمن میں مخالفین کا سطحی نقطہ نظر بے بنیاد ہے"۔

آر۔ باس ورتھ (R. Bosworth) اپنی تصنیف "محمد اینڈ محمد ازم" (Muhammad and Muhammadism) میں لکھتا ہے:۔

"تاہم یہ ضرور ذہن نشین رہے کہ جناب محمد ﷺ کی بہت سی شادیوں کی اس طرح تشریح کی جاسکتی ہے کہ دیگر محرکات کے علاوہ جذبہ ترحم کے تحت انہوں نے کئی لاچار اور بے کس خواتین اور ان کے متعلقین کو سہارا دیا اور ان میں اکثر بیوائیں تھیں جو نہ تو مالدار تھیں نہ خوبصورت بلکہ معاملہ الٹ تھا"۔

وہ بدبخت لوگ جو اسکے باوجود حضور ﷺ کی اخلاقی پختگی کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں یا انکی روحانی عروج اور بالیدگی کو مشکوک سمجھتے ہوں ان سے اس سوال کا جواب ضرور لینا چاہیے کہ 25 سال کی عمر میں شادی سے قبل انکا کسی خاتون سے تعلق کیوں نہ تھا؟۔ انہوں نے دو مرتبہ مطلقہ خاتون جو ان سے پندرہ برس عمر میں بڑی تھیں سے شادی کرنے کا انتخاب کیوں کیا؟ وہ ان کے وصال تک جب آنجناب ﷺ کی عمر 50 برس تھی کیوں ان کا ساتھ نبھاتے رہے؟۔ وہ ان بے سہارا بیواؤں اور مطلقہ

خواتین جن میں کوئی خاص قابل رغبت صفات نہ تھیں کو کیوں حرم نبوی میں لائے؟۔ انہوں نے اس کے باوجود کہ انہیں ہر طرح کے عیش و آرام کی زندگی میسر آ سکتی تھی اتنی پر مشقت اور سخت تکلیف دہ زندگی کو کیوں اپنایا؟ انہوں نے زیادہ تر شادیاں اپنی زندگی کے مصروف ترین پانچ سالوں میں اور خصوصاً ایسے دور میں جب جنسی قوت جواب دینے لگتی ہے کیوں رچائیں؟۔60 سال کی عمر میں آپ نے آخری شادی 50 سالہ سیّدہ ام المومنین میمونہؓ سے کی جنہیں دو مرتبہ بیوگی دیکھنا پڑی تھی۔

امہات المومنین کی پہلی شادیاں

ام المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی عتیق بن عائد مخزومی سے ہوئی مگر کوئی اولاد نہ ہوئی اور انکی موت پر آپ بیوہ ہوگئیں۔ آپکی دوسری شادی ابو ہالہ ہند سے ہوئی جو بھی انتقال کر گئے مگر دو بیٹے حارث اور ہند تولد ہوئے۔ اور پھر آپ کی 40 سال کی عمر میں تیسری شادی جناب پیغمبر ﷺ کے ساتھ ہوئی اور جناب پیغمبر اسلام ﷺ کی عمر شریف پچیس برس تھی۔

ام المومنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی سکران بن امر سے ہوئی۔ دونوں حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے بعد ازاں سکران کا انتقال ہوگیا۔ جناب پیغمبر ﷺ کے ساتھ شادی کے وقت آپ ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔

ام المومنین سیّدہ حفصہ بن عمر رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے اس کے بعد آپ کی شادی جناب پیغمبر ﷺ سے ہوئی۔

ام المومنین سیّدہ زینب بنت خزیمہ کی پہلی شادی طفیل بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوئی۔ ان کی وفات پر آپ نے دوسری شادی جہم بن عمرو بن حارث سے کی۔ جب وہ بھی وفات پا گئے تو تیسری شادی عبیدہ بن حارث سے انجام

پائی۔ مگر وہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تو آپ نے چوتھی شادی جناب پیغمبر ﷺ سے کی۔ (1)

ام المومنین سیّدہ ام سلمہؓ نے پہلی شادی ابوسلامہ بن عبدالاسد سے کی وہ اُحد کی جنگ میں شہید ہو گئے اور پسماندگان میں چار بچے، دو بیٹے عمر اور سلامہ اور دو بیٹیاں زینت اور درّی چھوڑے جو کہ تمام بچے ام سلمہؓ کی پیغمبر اسلام ﷺ سے شادی کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کی کفالت میں آ گئے۔

ام المومنین سیّدہ جویریہؓ کی پہلی شادی مسافح بن صفوان سے ہوئی جنکی وفات کے بعد پیغمبر ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

ام المومنین سیّدہ ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی سیّدہ ام حبیبہ کی پہلی شادی عبیدہ بن جحش سے ہوئی اور وہ انہیں لے کر حبشہ چلے گئے۔ وہاں جا کر عیسائیت قبول کر لی اور اس طرح سیّدہ اُم حبیبہ سے انکی شادی ختم ہو گئی اور ازاں بعد جناب پیغمبر ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔ شادی کے وقت سیّدہ ام حبیبہؓ کی پہلے خاوند سے ایک بیٹی حبیبہ بھی تھی اسی وجہ سے آپ اُم حبیبہ کہلائیں۔

ام المومنین سیّدہ صفیہؓ بنت حیی ۔ ام المومنین سیّدہ صفیہؓ جناب پیغمبر ﷺ سے شادی سے قبل دو مرتبہ شادی کر چکی تھیں۔ پہلی شادی سلام بن مشکم اور دوسری شادی کنعانہ بن الربیع سے کی جو جنگ خیبر میں کام آ گئے اور تب ام المومنین سیّدہ صفیہ حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

ام المومنین سیّدہ میمونہؓ۔ ام المومنین سیّدہ میمونہؓ بنت حارث کی پہلی شادی مسعود بن امر ثقفی سے ہوئی اور انکی موت کے بعد ابو رہم بن عبدالعزیٰ سے شادی کی۔ مگر وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے اور آپ اس طرح دو مرتبہ بیوہ ہو جانے کے بعد

1۔ بحوالہ سیر العلام النبلا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں۔

(**نوٹ۔** قارئین یہ نوٹ فرمالیں کہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ جنت المعلیٰ میں دفن ہوئیں جبکہ سیّدہ میمونہ کا مزار اقدس مکہ سے سولہ کلومیٹر دور ہجرہ روڈ پر بمقام سرف (موجودہ نواریہ) موجود ہے۔ دیگر اُمّہات المومنین جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔ مولف)

باب پنجم

اُمّہات المومنینؓ

باب ہذا میں اُمّہات المومنین (ماسوائے سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہااور سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا جن کے متعلق قبل ازیں باب سوم میں تفصیلاً بحث آ چکی ہے) کے بارے میں مزید تفصیلات درج کی جارہی ہیں۔اس باب میں مغربی ناقدین کی پیغمبر اسلام ﷺ کی ازواج سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ زینب بنت جحشؓ پر تنقید کا موثر جواب دیا جارہا ہے۔

ام المومنین سیّدہ عائشہؓ بنت ابوبکرؓ

ہم پہلے سیّدہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی عمر کے سوال کو کہ جب ان کی نسبت آنحضرت ﷺ سے طے پائی اور پھر جب انکی شادی جناب پیغمبر ﷺ سے ہوئی پر دلائل دیں گے کیونکہ مغربی ناقدین اسکو زیادہ متنازعہ بناتے ہیں۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) لکھتا ہے:۔

''آنحضرت ﷺ سے شادی کے وقت سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی عمر 10/11 برس سے زیادہ نہ تھی''۔ یہ تاریخی حقائق کے منافی ہے۔سب سے پہلے یہ حقیقت واضح رہے کہ عربوں میں مروجہ دستور کے مطابق جب انکی نسبت سرکار دوعالم ﷺ سے طے پائی آپ سن بلوغت کو پہنچ چکی ہونگی۔

اصابہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی بیٹی سیّدہ فاطمہ سلّمہا اللہ سیّدہ عائشہؓ سے 5 برس بڑی تھیں۔ابن سعد میں مرقوم ایک حدیث بحوالہ باب 8 صفحہ 26 کے مطابق (جو کہ اصابہ میں جلد 151 صفحہ 725 میں بھی مندرج ہے) سیّدہ فاطمہؓ جو پیغمبر اسلام ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں کی پیدائش اس وقت ہوئی جب کعبہ دوبارہ تعمیر

ہو رہا تھا یعنی بعثت سے 5 برس پہلے (605 عیسوی)۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے نسبت کے وقت یعنی بعثت کے دسویں سال 610 عیسوی میں وہ کسی صورت 15 سال سے کم عمر نہیں ہو سکتیں۔

امام بخاری خود ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے ذاتی حوالے سے لکھتے ہیں جب قرآن پاک کی 54 ویں سورۃ یعنی سورۃ القمر نازل ہوئی تو وہ خاصی سمجھدار تھیں اور اس سورۃ کی چند آیات انہیں یاد ہو گئیں جو انہوں نے اپنے والدین سے سنیں۔ اب سورۃ القمر یعنی 54 ویں سورہ کا زمانہ نزول بعثت کے پانچویں سال سے قبل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بعثت کے دسویں سال میں انکی عمر چھ سال ہونا درست نہ ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر ان کی پیدائش سورۃ القمر کے نزول کے وقت ہوئی۔

ابتداء کے معتبر ذرائع سے حاصل کردہ بیانات اور اعداد وشمار کے مطابق سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت آنحضور ﷺ کو پیغمبری عطا ہونے سے دس سال بعد ہوئی، تین سال ہجرت سے قبل اور رخصتی سن دو ہجری میں ہوئی۔ اس حساب سے سیّدہ عائشہؓ کی عمر بوقت شادی 19 سال بنتی ہے۔

میور (Muir) واضح طور پر مغالطہ کا شکار نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ آنحضور ﷺ کی نسبت جو کہ مکہ معظمہ میں طے پائی اور آپکی سیّدہ عائشہؓ سے شادی جو سن 2 ہجری میں مدینہ منورہ میں انجام پائی کے وقت کو آپس میں گڈمڈ کر رہا ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھئے ابن حجر عسقلانی الاصابہ جلد چہارم صفحہ 725 اور ابن سعد جلد ہشتم صفحہ 243 اور 395)

ام المومنین سیّدہ عائشہؓ کی شادی کی سخت نقاد نابیہ ایبٹ (Nabia Abbot) اپنی تصنیف "Aisha Chicago Report 1940 page 1" 614 عیسوی میں پہلی وحی کے نزول سے انکی پیدائش 5 سال قبل تسلیم کرتی ہے۔ ہم

کہہ سکتے ہیں کہ بوقت طے پانے نسبت ہمراہ رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہؓ کی عمر کا 6 یا 7 برس کا مفروضہ اور انکی شادی دس سال کی عمر میں ہونے کی روایت ہشام بن عروہ سے اسکے شاگرد علی بن مسہر نے نقل کی ہے۔ ہشام بن عروہ زندگی کے آخری ایام میں اندھا ہوگیا تھا اور دور بڑا پر مصائب تھا۔ وہ کئی احادیث سناتا رہتا تھا جن میں سے بعض احادیث انتہائی عجیب وغریب ہیں۔ 185 ہجری تک اس کی وفات سے قبل یہ حدیث کسی کتاب میں کہیں نہیں ملتی۔ مزید برآں علی بن مسہر کے علاوہ اس سے پہلے کسی بھی دیگر شخص نے یہ حدیث پیش نہیں کی جو حیران کن اور عجیب بات ہے۔

ابن ابی شیبہ "*Hisham's Habit of leaving out matters while writing*" کے عنوان کے تحت لکھے ہوئے ایک آرٹیکل میں ہشام کے متعلق ایک اہم واقعہ کی اس طرح نشاندہی کرتا ہے ''اس کے والد نے پوچھا کہ کیا اس نے حدیث لکھ ڈالی ہے۔ تو اس نے اپنے والد کو مثبت میں جواب دیا۔ مگر جب والد نے پوچھا کہ ہشام کیا تم نے اس حدیث کا موازنہ یا مقابلہ کیا تھا تو ہشام نے نفی میں جواب دیا، جس پر اس کے والد نے کہا۔ اس کا مطلب ہے تم نے حدیث نہیں لکھی ہے''۔

تاریخ بغداد کے مصنف امام المحدثین جناب خطیب بغدادیؒ نے امام مالک کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ ایک دروغ گو انسان تھا (جلد اول صفحہ 104-105 مزید برآں تاریخ بغداد باب 14 صفحہ 37 پر ترجمۃ الباب ہشام بن عروہ (*Notice Hisham B. Urwa of*) ملاحظہ فرمایئے۔ امام مالک کے علاوہ اہل مدینہ خود بھی احادیث ازاں ہشام میں غلطیوں کی نشاندہی کرنے لگے تھے۔
(تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ 109 اور جلد دوم صفحہ 50)

مسلم امہ کا صدیوں تک مسلسل اجماع اسی بات پر رہا ہے کہ اس مبینہ حدیث کو تسلیم نہ کیا جائے۔ پورے عرب میں کوئی شخص اتنی کم سنی کی عمر میں اپنی بیٹی کی شادی

کے لیے کبھی تیار نہ ہوتا تھا۔حتیٰ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں شادیاں مندرجہ ذیل انداز میں انجام پائیں۔

(الف) جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سیّدہ فاطمہؓ کی 21 سال کی عمر میں اور ایک دیگر تقویم سے 26 برس کی عمر میں شادی ہوئی۔(جلد دوئم۔صفحہ 46 کتاب مذکورہ بالا)

(ب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دوسری بیٹی سیّدہ ام کلثومؓ کی شادی 18 سال کی عمر میں ہوئی۔(جلد دوئم۔صفحہ 44 کتاب مذکورہ بالا)

(ج) سیّدہ اسماء بنت ابوبکرؓ جو کہ ام المومنین سیّدہ عائشہؓ کی بہن تھیں 26/27 سال کی عمر میں بیاہی گئیں (جلد دوئم۔صفحہ 45-46 کتاب مذکورہ بالا)

(د) سیّدہ زینب بنت جحش کی شادی زید بن حارث سے 34 سال کی عمر میں ہوئی۔
(جلد دوئم۔صفحہ 47 کتاب مذکورہ بالا)

''تاریخ طبری'' میں ''ابوبکر کی ازواج'' کے عنوان کے تحت درج ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے شادی کی جن کے بطن سے جناب عبداللہ اور سیّدہ اسماءؓ تولد ہوئے اور جناب ابوبکرؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں ہی ام رومان بنت عامر سے شادی کی جن کے بطن سے الرحمٰن اور سیّدہ عائشہؓ کی ولادت ہوئی ۔طبری کے مطابق چاروں بچے زمانہ جاہلیت میں مذکورہ بالا دونوں خواتین سے تولد ہوئے۔ تاریخ اسلامی کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جاہلیت کا دور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا دور ہے۔

پس سیّدہ عائشہ صدیقہ طلوع اسلام سے پہلے پیدا ہوئیں۔''سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصنف ابن اسحاق سب سے پہلے اسلام لانے والوں کے تذکرے کے ساتھ لکھتا ہے کہ سیّدہ عائشہؓ اور سیّدہ اسماءؓ بعثت نبوی کے پہلے سال ہی ایمان لے آئیں لیکن تب سیّدہ عائشہ کم سن تھیں۔ بالفاظ دیگر اسلام قبول کرتے وقت انکی عمر

مبارک کم ازکم 5/6 سال ہوگی۔

بلاشبہ قسطلانی اپنی کتاب ''مواہب'' میں ابن اسحاق کے حوالے سے سیّدہ عائشہؓ کی کمسنی کے حوالہ دیئے بغیران کے مشرف بہ اسلام ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ مگر محسوس ہوتا ہے کہ غلطی سے قسطلانی ابن اسحاق کا حوالہ دیتے وقت کہ ''وہ کم سن تھیں'' کے الفاظ درج نہ کرسکا۔

یہاں یہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ ابن اسحاق قدیم ترین راویوں میں سے ہے۔ جب کہ قسطلانی بعد کے دور سے متعلق ہے۔ ابن اسحاق نے یہ الفاظ کہ ''وہ کم سن تھیں'' سیّدہ عائشہؓ کے کمسنی میں قبول اسلام کے وقت تذکرے کے حوالے سے تحریر کئے ہیں۔ ابن اسحاق کی طرح زرقانی نے ''شرح مواہب اللدنیہ''۔ ابن سعید الناس نے ''ایوان الاطہر'' سہیلی نے ''الروض الانف'' ابوموسیٰ کلائی ''نے'' الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ وثلاثہ خلفاء اور ابن کثیر نے ''سیرۃ النبویہ'' میں بجا طور پر جہاں سیّدہ عائشہؓ کا ابتداء ہی میں مشرف بہ اسلام ہونے کا ذکر کیا ہے جب کہ ''وہ کم سن تھیں'' کے الفاظ بھی درج کیے ہیں۔

یہ وضاحت ضروری ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی میں اسلام قبول کرنے کے بارے میں مذکورہ بالا مصنفین کی آراء کی تصدیق ابن سعد نے اپنی کتاب ''طبقات سعد'' میں کی ہے۔

قریش یا ان کے حلیف قبائل کی مسلمان خواتین کی فہرست ترتیب دیتے ہوئے ابن سعد نے ''طبقات'' میں لکھا ہے ''اوائل ایام میں جناب پیغمبر ﷺ کو حلف وفاداری دینے والی سیّدہ اسمٰا بنت ابوبکرؓ شامل ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے جن خواتین سے حلف وفاداری لیا وہ سب اس وقت بالغ تھیں''۔

حدیث کی کتب منجملہ صحیح مسلم اور بخاری میں یہ مندرج ہے کہ سیّدہ عائشہؓ نے

غزوہ بدر اور غزوہ اُحد میں حصہ لیااور ان غزوات میں شمولیت کی اجازت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ان لوگوں کو دی تھی جو پندرہ برس کی عمر تک پہنچ چکے تھے۔

''انساب الاشرف'' جلد اول صفحہ 316 پر عبداللہ ابن عمرؓ کا ایک بیان مرقوم ہے کہ ''جب میں نے غزوہ احد میں شامل ہونے کے لیے اپنے آپ کو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے مجھے کم عمر گردانتے ہوئے غزوہ احد میں شمولیت کی اجازت نہ دی۔ مگر جب میں نے اپنے آپکو غزوہ خندق میں شامل ہونے کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدمات پیش کیں تو انہوں نے مجھے اجازت دے دی کیونکہ میری عمر پندرہ سال ہو چکی تھی''۔

ابن اثیر کی تصنیف'' الکامل فی تاریخ'' میں (جلد دوم صفحات 136-137) مندرج ہے کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بدر میں مندرجہ ذیل کم عمر نوجوانوں کو شامل کرنے سے انکار کر دیا:

عبداللہ بن عمر۔ رافع بن خدیج۔ البراء بن عاذب۔ زید بن ثابت۔ اُسید بن حُضیر۔

اس اصول کے مطابق سیّدہ عائشہؓ جب غزوہ بدر میں حصہ لے رہی تھیں انکی عمر یقیناً پندرہ سال سے زائد تھی یہ ہجرت کا دوسرا سال تھا۔

ابو نعیم اصبہانی کی ایک روایت کے مطابق سیّدہ اسمٰا بنت ابو بکرؓ ہجرت سے ستائیس سال قبل پیدا ہوئیں اور انہوں نے 74 ہجری میں وفات پائی۔

''الاستیعاب'' کے مطابق سیّدہ اسمٰا بنت ابو بکرؓ جو اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کی موت کے بعد 73 ہجری میں انتقال فرمایا وہ نابینا ہو گئیں تھیں اور بوقت وفات ان کی عمر 100 سال تھی۔

''اسد الغابہ'' کے مطابق سیّدہ اسماءؓ بنت ابو بکر ہجرت سے 27 سال قبل پیدا

ہوئیں اور 73 ہجری تک زندہ رہیں۔

"البدایہ والنہایہ" میں دیگر امور کے علاوہ یہ تحریر ہے کہ سیّدہ اسماءؓ نابینا ہوگئی تھیں اور 73 ہجری تک زندہ رہیں۔ وہ اپنی بہن سیّدہ عائشہؓ سے 10 سال بڑی تھیں اور انہوں نے 100 سال کی عمر پائی۔

"اکمال فی اسماء الرجال" اور "سیر اعلام النبلا" میں بھی ایسے ہی لکھا ہے کہ سیّدہ اسماءؓ بنت ابوبکر اپنی بہن سیّدہ عائشہؓ بنت ابوبکرؓ سے 10 سال بڑی تھیں۔

ان تمام حوالہ جات سے واضح ہوجاتا ہے کہ پیغمبر ﷺ سے شادی کے وقت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 19 سال تھی۔

پس اس طرح سے یہ حتمی قرار دیا جاسکتا ہے کہ مشرکین کا یہ کہنا کہ سیّدہ ام المومنین عائشہؓ کی عمر مبارک بوقت شادی 10/11 سال تھی غلط حوالہ جات پر مبنی ہے، جسے ہشام بن عروہ کی جھوٹی اور ناقابل یقین روایت سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ یقیناً قابل استرداد ہے۔ اگر مستشرقین نے حقائق کی احتیاط اور گہری نظر سے چھان بین کی ہوتی اور پیغمبر اسلام ﷺ سے موروثی تعصب کو قطع نظر کرتے تو وہ کبھی بھی مبینہ طور پر محض اشتہائے جنسی کی خاطر پیغمبر ﷺ کی ایک نوعمر بچی سے شادی کی من گھڑت کہانیاں نہ بناتے۔

علم وفضل

نابیہ ایبٹ (Nabia Abbot) سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دانش گاہ مدینہ کے چوٹی کے محدثین جناب ابوہریرہؓ، ابن عمر اور ابن عباس کے ہم پلہ قرار دیتی ہے۔ وہ انتہائی قابل رشک یادداشت اور حافظہ کی مالکہ تھیں جنہیں دو یا تین ہزار کے قریب حدیثیں زبانی یاد تھیں۔

کسی دیگر ساتھی یا غلام کی نسبت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جناب رسول اللہ

ﷺ سے بطور زوجہ محترمہ کے انتہائی قریبی رازدارانہ رفاقت رہی۔ قرآن پاک کی آیات کی اہمیت ومطالب پر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب سے زیادہ باریک بینی سے چھان بین کی اور قرآن وسنت کے ہم آہنگ اصولوں کی بنیاد فراہم کی۔ جس کی وجہ سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو محدثین کی صف اول میں شمار کیا گیا۔ قرآن پاک سے متصادم یا مطابقت نہ رکھنے والی کسی حدیث کو انہوں نے کبھی قبول نہیں کیا اور ان کے اسی اصول پر ان کے بعد آنے والے امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ کار فرما ہے۔ امام ابوحنیفہؒ چوٹی کے فقیہہ ہیں اور امام بخاریؒ جامع الحدیث تھے۔ فی الوقت بھی فقہائے زمانہ ''قرآن وسنت کے باہمی تطابق'' سیّدہ عائشہؓ کے وضع کردہ اصول سے رہنمائی حاصل کر کے تمام مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ سے نبی اکرم ﷺ کے عقد کی وجوہات پر بحث کرتے ہوئے مطالعۂ اسلام کے مشہور اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ یوں رقمطراز ہیں:۔

''سیّدہ عائشہؓ سے شادی کر کے نبی ﷺ نے جہاں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلے سے موجود قلبی تعلق کو مزید مستحکم اور مضبوط کرنے کی خواہش کو پیش نظر رکھا وہاں حضور اکرم ﷺ جوان عمر ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسلامی تعلیمات کی ماہر مدرسہ بننے کی تربیت دینا چاہتے تھے''۔

مختلف مغربی مورخین کے مطابق جناب پیغمبر اسلام ﷺ کا جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تعلقات مضبوط کرنے کا نقطہ نظر درست تھا۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) پیغمبر ﷺ کی سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے متعلق رقم طراز ہوتے ہوئے ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یوں لکھتا ہے:۔

''تقریباً انہیں دنوں میں جناب پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی دوسری شادی

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جواں سال بیٹی سیّدہ عائشہؓ سے کر لی اور اس رابطہ سے ان کا بنیادی مقصد اپنے قلبی رفیق سے اپنے لگاؤ اور تعلق کو مضبوط کرنا تھا"۔

واشنگٹن ارونگ (Washington Irving)(82) لکھتا ہے:۔

"شاید اس الحاق سے پیغمبر اسلام ﷺ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ وہ اپنے جگری دوست جناب ابوبکرؓ سے اپنے تعلق کو مستحکم تر کر دیں"۔

جان ڈیون پورٹ (John Devenport) لکھتا ہے:

"اس شادی کا بنیادی مقصد آپس کے باہمی تعلق اور لگاؤ کو مضبوط تر کرنا تھا"۔

ڈبلیو منٹگمری واٹ (W.Montgomry Watt) لکھتا ہے:

"چونکہ جناب محمد ﷺ کی تمام تر شادیوں میں ان کا سیاسی مقصد پیش نظر تھا اس لیے انہوں نے سیّدہ عائشہ کے ساتھ شادی کو اپنے اور جناب ابوبکر جو آنحضرت ﷺ کے اہم ترین پیروکار تھے کے درمیان موجود تعلقات کو زیادہ بہتر طریقے سے استوار کرنے کا ذریعہ سمجھا ہوگا"۔

اس شادی کے بارے میں وہ مزید یوں رقمطراز ہے:

"آخری خصوصیت جو جناب محمد ﷺ کی شادیوں کے سلسلے میں زیر نظر رہنی چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ وہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ذریعہ سیاسی نظریات کی ترویج چاہتے تھے اور بلاشبہ یہ عربوں کے قدیم دستور کا تسلسل تھا۔ جناب محمد ﷺ کی جملہ شادیوں سے مترشح ہے کہ وہ سیاسی میدان میں دوستانہ مراسم کو آگے بڑھانا چاہتے تھے سیّدہ عائشہؓ اور سیّدہ حفصہؓ جناب ابوبکرؓ اور جناب عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی بیٹیاں تھیں جن پر حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے از حد اعتماد کیا''۔

سادہ زندگی

فدا حسین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زاہدانہ زندگی کے بارے میں مذکورہ بالا کتاب میں لکھتا ہے:

''ان کا رہائشی حجرہ کیسا تھا؟ آٹھ یا دس ہاتھ لمبا اور چھ سات ہاتھ چوڑا۔ ایک چھوٹا سا جھونپڑا جو کچی مٹی کی دیواروں اور کھجور کے پتوں کی بنی چھت پر مشتمل تھا۔ اور چھت کو بہ آسانی ہاتھ سے چھوا جا سکتا تھا۔ ایک پٹ کا دروازہ تھا حجرہ میں کئی دنوں تک دیا نہیں جلتا تھا۔ چند ایک گھریلو استعمال کے برتن تھے اور ایک کھردرے بوریے نے فرش ڈھانپ رکھا تھا۔ اس سے ان کے جملہ دنیاوی اثاثوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ کی زاہدانہ زندگی کی سادگی کے متعلق متعدد روایات ہیں اور اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ انتہائی سادہ اور آسائش سے عاری زندگی گزارتی تھیں کیونکہ وہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرعسرت زندگی کو ہمیشہ پیش نظر رکھتیں اور انہیں جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ نصیحت ہمیشہ یاد رہی کہ'' دنیاوی اشیا اور مال سے رغبت کی بجائے قناعت پسندی۔ جیسا کہ ایک مسافر کا ساز و سامان کھردرے کپڑے کا پہناوا اور اہل ثروت لوگوں سے اجتناب''۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ'' یہ دنیا بے سروسامانی کی قیام گاہ ہے۔ اور جن کی کوئی جائداد نہ ہو اس کے لیے جائداد۔۔ بے عقل اور نادان جائداد اور مال و اسباب کے آرزومند رہتے ہیں''۔

دیگر تمام خواتین کی طرح سیّدہ عائشہ بھی نوعمری میں اچھی چیزوں کی دلدادہ تھیں مگر اپنے عظیم شوہر کے محتاط رہنے کے پند و نصائح کے پیش نظر انہوں نے تازیست جھوٹی شان و شوکت سے قطع تعلق رکھا اور بدرجہ اتم زہد و تقویٰ کی زندگی گزاری۔ تمام

عقائد کے نامور مورخین نے آپکے کردار کے اس امتیازی وصف کی شہادت دی ہے۔

آپ ہمیشہ پیوند لگے کپڑے پہنتیں اور اکثر مواقع پر لوگوں کو بلند میعار زندگی اپنانے اور اسراف کی عادات پر سرزنش فرماتیں۔ ان کے اپنے وسائل ہرگز کم نہ تھے۔ ان کے پاس کفایت شعاری کی عادت کی وجہ سے اور خاندانی طور پر ورثے یا وصیت میں ملنے والی دولت بہت تھی مگر انہوں نے یہ سب کچھ خیرات میں لٹا دیا۔

نابیہ ایبٹ (Nabia Abbot) اپنی تصنیف ''عائشہ دی بیلوڈ آف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (Aisha the beloved of Muhammad) میں بادلِ نخواستہ یہ تسلیم کرتی ہے:۔

''مسلم روایات نے برمحل زاہدہ و عابدہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر کشی کی ہے جن کی زندگی کا رہنما اصول عقیدے پر قائم رہتے ہوئے انعام خداوندی کی توقع اور اسی امید پر اپنا سب کچھ دریا دلی سے اس کی راہ میں لٹا دینا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ بعد میں آنے والے مسلمانوں نے بڑھا چڑھا کر سیّدہ عائشہ صدیقہ کو نہ صرف عارفوں میں بلکہ اسلام کے اولیاء اللہ کی صفوں میں ممتاز مقام پر متمکن کر دیا''۔

مس ایبٹ (Miss Abbot) نے اپنی کتاب میں اکثر حقائق سے قصداً روگردانی کی ہے پھر بھی یقیناً ام المومنین سیّدہ عائشہؓ کی روحانی عظمتوں سے خاصی متاثر ہو کر ہی اس نے اس موضوع پر کتاب لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ وہ اس بات کی شہادت دیئے بغیر نہیں رہ سکی کہ

''روایات میں سیّدہ عائشہؓ کی خدا خوفی اور پُر عبادت زندگی میں انجام دیئے گئے کارہائے نمایاں اور ان کے اقوال کے متعدد حوالہ جات موجود ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت فرماتیں تو آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات امڈ پڑتی۔ کئی کئی دنوں تک روزے سے رہتیں اور عبادت میں مشغول رہتیں''۔

بلاشبہ غیر متعصب قارئین اس سے خود نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

انہوں نے نبی ﷺ کی شخصیت کی ناقابل فراموش تاریخی ورثہ چھوڑا۔ وہ فرماتی ہیں" جناب نبی ﷺ گٹھیلے پستہ قد یا موٹاپے کی طرف مائل نہیں بلکہ متناسب سڈول جسمانی ساخت کے مالک تھے۔ آپ ﷺ کا رنگ گلابی مائل سفید تھا اور خوبصورت چمکدار آنکھیں لمبی پلکوں سے مزین تھیں۔ متناسب غیر فربہی کے آئینہ دار ساخت کے مضبوط انسان تھے۔ عام مردوں کی طرح انکے کندھوں اور چھاتی پر بال نہ تھے۔ انکی ہتھیلیاں نرم اور نسبتاً چھوٹی تھیں۔ وہ سخی دل اور سادہ مگر کم گو تھے۔ وہ حیادار انسان تھے اور فحش گو نہ تھے۔ بلکہ خوش اخلاق متواضع اور کریم تھے۔ وہ اپنے چہرے پر چمکدار مسکراہٹ سجائے رکھتے تھے حتیٰ کہ اس وقت بھی جب وہ ذہنی طور پر پریشان ہوتے تب بھی مسکراہٹ انکے چہرۂ اقدس پر کھیلتی رہتی۔ وہ عالی ظرف اور بامروت انسان تھے اور اپنے ارگرد تمام لوگوں کے لئے شدت سے حساس تھے۔ وہ کبھی بھی کسی آدمی کی بدتمیزی، گالی گلوچ پر سرزنش نہ کرتے تھے۔ اور اگر کبھی کسی ناشائستگی کا برا منایا تو بھی اس صورت حال کو اپنی گفتگو میں اس طرح لیا کہ دوران گفتگو اس ناشائستگی اور بدتمیزی کے انسداد کے لیے انتہائی کریمانہ اشارے دے کر لطیف انداز میں اس معاملے کو ختم کر دیا۔ یہ میرا اعزاز ہے کہ میں نے دس برس ان کے قریب رہ کر ان کی خدمت کی۔ اس طویل عرصے میں انہوں نے ایک مرتبہ بھی مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی اور نہ بطور گرہستن میرے رویہ پر حرف زنی کی یا معترض ہوئے۔ وہ اپنی شخصیت کی کریمانہ دل آویزی او، سحرانگیزی اور شائستگی کی بدولت دلوں کو تسخیر کر لیتے تھے"۔

اُم المومنین سیّدہ عائشہؓ سے ایک معتبر حدیث یوں بیان ہوئی ہے کہ جناب پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ" روز قیامت اللہ کے سائے کے نیچے سب سے پہلا شخص وہ ہوگا جس کو جب اللہ کے دیئے مال سے خرچ کرنے کو کہا گیا تو اس نے برضا و رغبت خرچ

کیا اور یوں انصاف کیا جیسے وہ خود اس سے فائدہ مند ہو' ایک پرانے مقولے کا مفہوم بھی یوں ہے " جیسا کرو گے ویسا بھرو گے "۔

اُم المومنین سیّدہ عائشہؓ کے مطابق جناب پیغمبر ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے " دولت سے محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے "۔

یہ فرمان واضح طور پر اشتراکی عقیدہ کی اہمیت کا غماز ہے۔ ہنری جارج (Henery George)(80) جو کہ " پروگریس اینڈ پاورٹی " (Progess & Poverty" کا مصنف ہے نے بھی اس نقطہ نگاہ کو اپنالیا ہے کہ ہماری بلند ترین تہذیب و ثقافت میں انسان بخیلی کا شکار ہو کر نہیں مرتا بلکہ اس کی موت کا سبب دوسرے شخص کا نامنصفانہ رویہ ہے۔ اور وہ اسلامی معاشرے کے نظام حیات کے ان اصولوں سے بے بہرہ ہوتا ہے جو آج سے چودہ صدیاں قبل اسکے بانی نے مرتب کیے تھے۔ ممتاز مفکرین کو اسکا احساس شدت سے ہو رہا ہے کہ نسل انسانی اجتماعی معاشرتی انصاف کی بنیادی اقدار پر عمل پیرا نہیں رہی۔

جناب انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہوں اچانک سنا کہ ام المومنین قدرے بلند آواز میں پیغمبر ﷺ سے دلبستگی کا اظہار یوں کر رہی تھیں۔

" حضور ﷺ آپ نے جو کی روٹی بھی کبھی جی بھر کر نہیں کھائی۔ اے اللہ کے نبی آپ ﷺ نے عسرت اور تنگی کو خوشحالی اور امارت پر ترجیح دی۔ آپ ﷺ پاکیزگی اور طہارت کے پیش نظر کبھی شب بھر نہیں سوئے "۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں جناب پیغمبر اسلام ﷺ کی اعلیٰ پاکیزہ شخصیت کے لیے کس قدر انس و احترام تھا۔

اب ہم کچھ قابل ذکر مغربی مصنفین کی رائے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دینی

استعداد اور فہم وفراست سے متعلق درج کرتے ہیں۔

اٹھارویں صدی کے مصنف پیری بیل (Pierre Bayle)(81) نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''ہسٹاریکل اینڈ کریٹیکل ڈکشنری'' (Historical and Critical Dictionary) میں لکھا ہے:۔

''ہم نے دیکھا ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک ولیہ اور ہاتف سمجھا جاتا تھا''۔

مسٹر ہربی لوٹ (Mr Herbelot)(82) اپنی تصنیف ''ہربی لوٹ بائیبل اورینٹ (Herbelot, Bible Orient) میں ''باب عائشہ'' صفحہ 330 پر لکھتا ہے:۔

''وہ اپنے ہم عصروں میں ایک مقتدر اور اعلےٰ مقام پر فائز تھیں۔ حتیٰ کہ عقیدہ کی پختگی اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے ادراک میں ان سے رجوع کیا جاتا تھا''۔

''کیمرج میڈی ایول ہسٹری'' (Cambridge Medieval History) میں پروفیسر بیون (Professor Bevan) یوں رقم طراز ہے:۔

''مسلمانوں کی کتب احادیث میں ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی حدیثیں، معتبر ترین اور کثیر التعداد ہیں''۔

فلپ۔ کے۔ ہٹی (Philip K. Hitty) اپنی تصنیف ''انسائیکلوپیڈیا آف امیریکانا'' (Encylopedia of Americana) میں لکھتا ہے:۔

''پیغمبر اسلام سے منسوب بے شمار احادیث سیّدہ ام المومنین عائشہؓ سے روایت کی گئی ہیں''۔

ایم سلیگ سون (M. Seligsohn)(83) ایک مشہور مصنف نے ''شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' (Shorter Encyclopedia of Islam)

میں سیّدہ عائشہؓ پر اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ:

''معتبر راویان حدیث میں ام المومنین سیّدہ عائشہؓ ممتاز ترین مقام پر متمکن ہیں۔ 1210 احادیث کی وہ راویہ بیان کی جاتی ہیں۔ اور یہ ایسی حدیثیں ہیں جو انہوں نے براہ راست جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک سے سنیں۔ اکثر اوقات ان سے دینی اور قانونی مسائل پر مشورہ کیا جاتا۔ لوگ ان کی قابلیت کے لیے رطب اللسان تھے۔ وہ پڑھنا لکھنا جانتی تھیں اور انہیں کئی قصائد زبانی یاد تھے''۔

کارلائل (Carlyle) نے انکے متعلق لکھا:

''سیدہ عائشہؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوجوان محبوب زوجہ تھیں جنہوں نے اپنی طویل زندگی میں اپنے آپکو مسلمانوں میں اپنی منجملہ صلاحیتوں کی بنیاد پر ممتاز حیثیت کا حامل منوایا''۔

ڈی۔ ایس مارگولیتھ (D.S. Margoliouth) نے تحریر کیا ہے:

''حرم نبوی میں سے صرف سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی قد آور شخصیت اور زبردست فہم وفراست کی بنا پر اسلامی تاریخ کے دینی اور سیاسی میدان میں ایک اعلیٰ مقام پر فائز تھیں''۔

مسلمان اور مغربی مفکرین کی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دی گئی رائے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ انتہائی ذہین وفطین خاتون تھیں وہ اولین دور کے مسلمانوں میں مفسرہ عقائد وقوانینِ اسلام اور بطور خاص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں امت تک پہنچانے کے کردار کی وجہ سے ایک منفرد شخصیت کی حامل ہیں۔

تاہم منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) نے اپنے اسلام اور پیغمبر مخالف موقف پر کاربند رہتے ہوئے سیّدہ عائشہؓ ام المومنینؓ سے متعلق بعض معاملات میں جو اختلافی رائے زنی کی ہے ہم اسکے گمراہ کن موقف کی دھند کو ہٹا کر

حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں۔

''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام''(Encyclopedia of Islam) کے جدید ایڈیشن میں لکھے گئے ایک مقالہ میں وہ ام المومنین کی طرف سے پیغمبر اسلام ﷺ کی حدیثوں کو روایت کرنے کی حقیقت کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے:۔

''کہا جاتا ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا 1210 حدیثوں کی راویہ ہیں مگر صحیح مسلم اور بخاری میں ان میں سے صرف تین سو حدیثوں کو درج کیا گیا ہے''۔

ان ریمارکس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ احادیث کے دو معتبر جامعین نے سیّدہ عائشہؓ ام المومنین سے روایت کی گئی صرف تین سو حدیثوں کو قابل اعتبار تسلیم کیا ہے۔ درحقیقت یہ قطعاً غلط تاثر اور گمراہ کن پراپیگنڈہ ہے۔

بخاری اور مسلم کا حدیثوں کو پرکھنے کا اپنا ایک خاص انداز نظر تھا۔ جب کہ دیگر جامعین حدیث کا حدیث کو جانچنے پرکھنے کا طریقہ کار مختلف تھا اور اگر ہم حدیثوں کی جانچ پڑتال اور پرکھنے میں مختلف محدثین کے طریقہ کار میں اختلافات ڈھونڈنا شروع کردیں تو ایسی کوشش یقیناً ایک بڑی لغزش اور انحراف حدیث کے مترادف ہوگی۔ ہم واٹ (Watt) کی گمراہ کن دلیل کو مشہور زمانہ اسلامی سکالر سید سلیمان ندوی (84) کے موقف کو دہرا کر غلط ثابت کرسکتے ہیں۔ انہوں نے ''سیرت عائشہ'' میں لکھا ہے کہ بخاری شریف میں سیّدہ عائشہؓ ام المومنین سے روایت کی گئی 228 حدیثوں کا ذکر ہے۔ صحیح مسلم میں سیّدہ عائشہؓ ام المومنین کے حوالے سے 232 حدیثوں کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ سیّدہ عائشہ ام المومنین کے روایت اور حوالے سے دیگر جامعین حدیث نے دیگر احادیث کو نقل کیا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ (85) کے چھٹے باب میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ حدیثوں کے اندراجات سے 253 صفحات پر مشتمل کتاب بن سکتی ہے۔

''البدایہ والنہایہ'' میں ابنِ کثیر نے سیدہ عائشہؓ ام المومنین کی بے مثال اسلامی روایات اور علوم کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام اور دیگر لوگوں کے نقطہ ہائے نظر کو یکجا کر کے پیش کیا ہے۔ وہ ابتداہی اس بات سے کرتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ دیگر اُمّہات المومنین یا دوسری خواتین کے مقابلے میں علم وفضل کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھیں حتیٰ کہ ان تمام خواتین کے علم کو ایک جگہ اکٹھا بھی کر دیا جائے تو بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم یقیناً ان پر افضل تھا۔

عطا بن رباحؒ لکھتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت کی عظیم ترین فقیہہ تھیں، تمام مومنین میں قابل ترین اور بہترین عالمہ تھیں۔قوت فیصلہ کی مالک اور ذہین وفطین تھیں۔

ترمذی نے مسروق سے نقل کیا ہے ''میں نے مشاہدہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ کے معمر صحابہ کرام وراثت وغیرہ کے معاملات میں ان سے راہنمائی لیتے تھے''۔

''حدیث لٹریچر'' (Hadith Literature) نامی کتاب میں ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے:۔

''زبردست یادداشت اور گہری تنقیدی صلاحتیں انہیں قدرتی طور پر ودیعت تھیں۔قبل از اسلام لکھی گئی نظمیں انہیں یاد تھیں اور اپنی زندگی میں علم الادویہ اور اسلامی قانون پر انہیں سند تسلیم کیا جاتا تھا۔ جہاں تک احادیث وروایات کا تعلق ہے نہ صرف یہ کہ بہت سے حدیثیں انہیں اپنے شوہر نامدار رسول خدا ﷺ کے ساتھ رہتے ہوئے یاد ہو گئیں بلکہ وہ ان پر گہری تنقیدی نظر بھی رکھتی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بہت سے صحابہ کرام کی ایسی غلطیوں کی تصحیح و درستی فرمادیتیں جو وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے الفاظ بیان کرنے یا سمجھنے میں کرتے تھے۔مثال کے طور پر جب انہیں بتایا گیا کہ ابن عمر نے کہا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ قبر کے اندر میت کو انکے رشتہ

داروں کے بین کرنے یا ماتم کرنے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے تو انہوں نے اصل صورت حال کی یوں نشاندہی فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''جب قبر میں مردے کو اس کے اپنے گناہوں کی سزا دی جا رہی تھی تو اسکے رشتہ دار اس کے لئے رو تے تھے''۔

حدیث اور اسلامی قانون پر ان کے وسیع علم کے پیش نظر بہت سے اہم صحابہ کرام ان سے قانونی مسائل پر رائے اور مشورہ طلب کرتے تھے۔ ان صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد کے علاوہ دوسرے مسلمان بھی ان سے حدیث کا علم حاصل کرتے۔ ''تہذیب التہذیب'' میں ابن حجر عسقلانی نے حدیث کے راویوں کی ایک لمبی فہرست دی ہے جن کی بیان کی گئی حدیثوں کا ماخذ ام المومنین عائشہ تھیں۔

سید سلیمان ندوی ''سیرت عائشہ'' میں مزید بیان کرتے ہیں کہ وہ آیات قرآنی کی مختلف اسالیب میں قرآت کرنے اور انکے اصلی اور بنیادی معانی و تشریح پر گہری گرفت رکھتی تھیں اور دلائل پر مبنی طریقہ کار سے ان آیات سے استنباط یا نتائج اخذ کرنے پر عبور رکھتی تھیں۔

ہر سوال کا برمحل جواب دینے کے لیے وہ پہلے قرآن کا حوالہ دیتیں۔ فقہی اور عقائد سے متعلق سوالات یا احکامات قرآنی کی تشریح یا ترجمانی کے لیے وہ قرآن پاک کے حوالے سے استنباط کرتی تھیں۔ سید سلیمان ندوی نے قرآن پاک کی متعدد آیات کی تشریح و وضاحت یا ترجمانی کے لیے ام المومنین کی وضاحتوں کے لیے (اپنی تصنیف میں) دس صفحات مختص کیے ہیں۔

وہ 58 ہجری میں بیمار ہوئیں۔ ابن عباس انکی بیمار پرسی کے لیے آئے تو جوش جذبات سے انکی آواز رندھ گئی اور انہوں نے عرض کیا:۔

''اے ام المومنین! اے روایات و حدیث رسول کی بانی! اے وہ کہ جن کے اقوال شب و روز دہرائے جاتے ہیں۔ خدائے کریم آپ کو صحت یاب کردے'' سیّدہ

اُم المومنینؓ نے احتجاجی انداز میں فرمایا "مہربانی کر کے میرے منہ پر میری قصیدہ گوئی نہ کرو۔ میری اپنی خواہش ہے کہ میں اپنے آپ کو مکمل طور پر مٹا دوں" ایک مختصر بیماری کے بعد وہ دنیائے فانی سے رخصت ہو گئیں اور اپنی وصیت کے مطابق مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں محو استراحت ہیں۔

سیّدہ حفصہؓ بنت عمر بن الخطابؓ

سیّدہ حفصہؓ حضرت عمر بن خطابؓ اسلام کے خلیفہ ثانی کی بیٹی تھیں ان کی پہلی شادی جناب خنیس بن حذافہ سے ہوئی اور دونوں ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور وہاں خنیس بن حذافہ غزوہ بدر میں لاولد شہید ہو گئے۔ بیوگی کے وقت سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر 19 برس تھی ان کے بیوہ ہونے کے بعد جناب پیغمبر ﷺ نے جناب عمرؓ سے تعلقات کو مضبوط تر کرنے کے خیال سے سیّدہ حفصہؓ سے شادی کر کے حرم نبوی میں داخل کر لیا اور یہ شادی ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال میں انجام پائی۔

وہ ازواج رسول ﷺ میں ذہانت علم وفضیلت کے لحاظ سے سیّدہ عائشہؓ سے دوسرے نمبر پر آتی ہیں۔ انکے والد جناب عمرؓ بن خطاب نے انہیں اور ان کے بھائی عبداللہ بن عمر کو بہتر انداز میں تعلیم دی۔ سیّدہ حفصہؓ کا زیادہ وقت پڑھائی لکھائی میں صرف ہوتا تھا۔ جناب ابوبکرؓ کا تحریر شدہ قرآن پاک کا نسخہ انکی تحویل میں رہا جو جناب پیغمبر اسلام ﷺ کی ترتیب کے مطابق تھا۔ یہ مسودہ قرآن بعد ازاں جناب حضرت عثمانؓ کے سپرد ہوا جنہوں نے آگے سیّدہ حفصہؓ کے حوالے کر دیا تھا۔ قرآن پاک کا یہ مسودہ ہی مستند نسخہ کہلایا۔

سیّدہ حفصہؓ ام المومنین ایسی تمام خواتین کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتی تھیں جو اس مقصد کے لیے ان کے پاس آتی تھیں۔ جناب پیغمبر ﷺ انہیں تازہ ترین وحی ہائے الٰہی سے باخبر رکھتے اور اسلامی عمرانیات کے موضوعات پر ان سے تفصیلی گفتگو فرماتے

جو اپنی روزمرہ کے معمولات سے زیادہ سارا دن ان کی طرف متوجہ رہتیں۔

ایک دن عمر بن خطابؓ جو سیّدہ حفصہؓ کے والد تھے آنحضرت ﷺ کے گھر میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ نبی کریم ﷺ ایک ننگی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس پر کوئی چادر وغیرہ نہ تھی انہوں نے دیکھا کہ کھردری چٹائی نے حضور ﷺ کے جسم اطہر پر نشان ڈال دیئے تھے۔ حضور ﷺ نے کھجور کی کھال کے ریشوں سے بھرے تکیے پر اپنا سر مبارک رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو نماز کے لیے اٹھنے کو کہا مگر وہ پیغمبر خدا ﷺ کی عسرت کا منظر دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہو گئے۔ نبی مکرم ﷺ عمر بن خطابؓ کی اس غمگسارانہ اور ہمدردانہ نظر کو دیکھ کر گویا ہوئے:

''اے ابن خطاب کیا تم دنیاوی آسائشوں کے آرزومند ہو؟۔ جلد انعام کے خواہشمند دراصل خسارے میں ہیں''۔

سیّدہ حفصہ نماز و روزہ کی سخت پابند تھیں اور روزے کی حالت میں وصال فرمایا۔ 45 ہجری میں دنیا سے رخصت ہوتے وقت ان کی عمر 60 برس تھی۔

مختلف مغربی مورخین کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی سیّدہ حفصہؓ سے شادی کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ اس طرح عمر بن خطابؓ سے اپنی دوستی کو مضبوط کرنا چاہتے تھے جو آنحضرت ﷺ کے پرجوش پیروکار اور جانثار ساتھی تھے۔

سر ولیم میور (*Sir William Muir*) اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے:۔

''سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو حرم نبوی میں بطور زوجہ داخل کرنے سے نبی کریم نے ان کے والد جناب عمرؓ بن خطاب سے دوستی کے بندھن کو مستحکم تر کر دیا''۔

ہنری لیمنز (*Henry lammens*) (86) جو ایک متعصب عیسائی راہب ہے ''شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' (*Shorter Encyclopedia of Islam*") میں سیّدہ حفصہؓ سے متعلق لکھے گئے ایک مضمون میں تسلیم کرتا ہے کہ:

''یوم اُحد کے فوراً بعد نبی اکرم نے عمر بن خطابؓ کے تعاون کی خاطر سیّدہ حفصہؓ سے شادی کی''۔

ایمائیل ڈرمنگہم (Emile Dermengham) بیان کرتا ہے:

''سیّدہ حفصہؓ بنت عمر جو بیوہ تھیں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریک حیات بناتے ہوئے جناب عمرؓ سے بہترین تعلق اور رشتہ قائم کرلیا''۔

پی۔ڈیلیسی جانسن (P. Delacy Johnson) لکھتا ہے:

''جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور بیوہ سیّدہ حفصہؓ بنت عمر سے شادی کر کے جناب عمر بن خطابؓ سے اتحاد و دوستی کو اتنا پختہ کر دیا جیسے انکی دوستی اور رفاقت جناب ابوبکرؓ سے تھی''۔

جان بیگٹ گلب (John Baget Glubb) لکھتا ہے:۔

''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی سیّدہ عائشہؓ بنت ابوبکرؓ سے شادی کر چکے تھے اور عمر بن خطابؓ کی بیٹی حفصہؓ سے شادی کر کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں قریبی جانثار ساتھیوں کو اپنے مزید قریب کرنا چاہتے تھے''۔

''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' (Encyclopedia of Islam) کے نئے ایڈیشن میں ایل ویشیا ویگلیری (L.Veccia Vaglieri)(87) سیّدہ حفصہؓ پر لکھے گئے ایک مضمون میں رقم طراز ہے:۔

''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام نے سیّدہ حفصہؓ سے شادی اس حکمت عملی کی تکمیل کے لیے کی کہ وہ عمرؓ جیسے اپنے بہترین اور انمول معاون کار سے اپنے بندھن کو زیادہ مضبوط کرنا چاہتے تھے اور اپنے اس مشن کی تکمیل کے سلسلہ میں ہی تھوڑا عرصہ قبل انہوں نے ابوبکرؓ کی صاحبزادی سیّدہ عائشہؓ سے شادی کی تھی''۔

ڈبلیو منٹگمری واٹ (W.Montgommery Watt) اس شادی کے

سیاسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''آواخرِ جنوری 624ء میں جناب محمد ﷺ نے سیّدہ حفصہؓ سے شادی فرمائی جو عمرؓ کی بیٹی تھیں وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ ثانی مقرر ہوئے۔ ایک پنتھ دو کاج کے مصداق اس طرح سے ایک طرف تو جناب پیغمبر ﷺ نے اپنے نائب کمانڈر اور ساتھی عمرؓ بن خطاب سے رشتہ مضبوط کر لیا اور دوسری طرف سیّدہ حفصہؓ کی دل جوئی مقصود تھی کیونکہ ان کے خاوند مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کے ساتھ بدر کی لڑائی میں کفار مکہ کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔ اس شادی یا دیگر تمام شادیوں کا جناب پیغمبر ﷺ نے اپنے لئے یا اپنے پیروکاروں کے لئے خود اہتمام کیا ان میں سیاسی مقاصد یقیناً پیش نظر تھے۔ چاہے کوئی دیگر وجوہات تھیں یا نہیں"

کیرن آرم سٹرانگ (Karen Armstrong) بھی اس شادی کو جناب پیغمبر ﷺ کی سیاسی حکمت عملی قرار دیتی ہے چنانچہ وہ لکھتی ہے:۔

''سیّدہ حفصہؓ سے پیغمبر ﷺ کی شادی 625ء کے اوائل میں اہتمام پذیر ہوئی اور اس شادی سے پیغمبر ﷺ کے دو جان نثار ساتھیوں سے ان کے تعلقات مضبوط تر ہو گئے اور اب وہ بیک وقت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے داماد بھی تھے''۔ (1)

سیّدہ زینبؓ بنت خزیمہ

آپؓ خزیمہ بن حارث کی بیٹی تھیں اور اُمّ المساکین کے نام سے معروف تھیں۔ جس کے معنی ''غریبوں کی ماں'' ہیں۔ اس لئے کہ آپ انتہائی سخی مزاج تھیں۔

آپؓ کا سلسلہ نسب جناب عبدالمناف سے جا ملتا ہے سیّدہ کے پہلے خاوند کا نام عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب تھا۔ اس طرح آپؓ رسول اللہ ﷺ کی رشتہ دار

1۔ سیدہ حفصہ سے 60 احادیث منقول ہیں جو انہوں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں۔ بحوالہ سیر العلام النبلاء 230/2، شرح مواہب 271/2 (مؤلف)

تھیں۔عبیدہ بن حارث کی وفات کے بعد آنجنابہؓ نے جہم بن عمرو سے شادی کر لی۔جو جنگ بدر میں شہید ہوگئے۔۔آپ کی تیسری شادی حضرت عبداللہ بن جحش سے ہوئی غزوہ اُحد میں وہ بھی شہید ہوگئے۔

جنگ اُحد میں 70 مسلمان شہید ہوئے۔اور کم وبیش مدینہ کی خواتین کی نصف تعداد بیوہ ہوگئیں۔اسلام نے ایسی خواتین کو بے سہارانہیں چھوڑا۔زندہ بچ جانے والے مردوں کوایسی بیوہ خواتین سے شادی کر کے ان کے مصائب وآلام ختم کرنے کا حکم دیا۔پیغمبر خدا ﷺ کی کثیر الازواجیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔اور ان کے پیروکاروں نے بھی ان کی پیروی کی اس طرح بالواسطہ طور پر ان بیوہ عورتوں کا اخلاقی و مادی معیار برقرار رہا۔

جہم بن عمرو کی موت کے بعد سیّدہ زینبؓ بنت خزیمہ خاصی مشکلات میں گھر گئیں۔بہت سے لوگ ان سے شادی کے خواہش مند تھے مگر انہوں نے ایسی تمام تجاویز مسترد فرمادیں۔جناب نبی ﷺ کے شادی کے پیغام کے پس منظر میں انسانی ہمدردی اور مروت کارفرما اور محرک تھی جو پیغمبر خدا ﷺ کے دل میں انکے مرحوم شوہر کے احساس فرض کے لیے تھی۔چنانچہ اس اعزاز کوانہوں نے بخوشی قبول کرلیا وراس طرح یہ شادی مابین پیغمبر خدا ﷺ اور سیّدہ زینبؓ بنت خزیمہ سن تین ہجری میں غزوہ احد کے جلد بعد انجام پاگئی۔

سیّدہ زینبؓ بنت خزیمہ کی عمر مبارک اس وقت 30 سال تھی ان کا زیادہ وقت غریبوں کی دردبھری کہانیاں سننے میں صرف ہوتا تھا۔اورسخت مشکلات کے واقعات سن کرایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان کے دل میں غریبوں کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا نہ ہوئے ہوں۔ان کا فرمان ہے کہ حرم نبوی کی خواتین مالی معاملات میں کبھی پریشان نہ ہوتی تھیں بلکہ جو کچھ انہیں ملتا حقداروں میں تقسیم ہوجاتا۔

وہ ایک نرم رو، دل آویز مزاج کی مالکہ اور غلطیوں کو نظر انداز کر دینے والی کریم النفس خاتون تھیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ گھر میں صرف ایک وقت کے کھانے کے لیے آٹا موجود تھا اور کسی سائل نے دروازے پر دستک دی۔ معزز خاتون نے وہ آٹا سوالی کو دے دیا اور خود رات بھر بغیر کھائے گزارنے کا ارادہ کیا۔ اپنی ضرورتوں پر غریب مستحقین کی ضرورتوں کو زیادہ اہمیت دینے کے اس جذبہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اندھیرے میں انکے لیے ایک پڑوسی کے گھر سے کھانا لے آئے۔ دوسرے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر ازدواج مطہرات کو یہ واقعہ سنایا اور فرمایا۔ "اگر تم خدائے لم یزل پر ایمان اور یقین رکھو اور جو تمہیں ہمیشہ رکھنا چاہیے، وہ تمہیں غذا اور خوراک اس طرح مہیا کرے گا جیسا کہ پرندے صبح کے وقت بھوکے اپنے گھونسلوں کو چھوڑتے اور شام کے وقت مکمل طور پر سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں"۔

اس کریم الطبع خاتون کی پر مسرت رفاقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور وہ اپنی شادی کے دو تین ماہ بعد تیس سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئیں جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں ابدی استراحت کے لیے لحد میں اتارا، یہ پہلی خاتون تھیں جن کی تجہیز و تکفین کی رسومات اسلامی طریقہ کے مطابق ہوئیں کیونکہ سیّدہ خدیجہؓ کی وفات تک تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں احکامات خداوندی نازل نہ ہوئے تھے۔ سیّدہ زینبؓ بنت خزیمہ کی تدفین جنت البقیع میں عمل میں لائی گئی۔

ام المومنین سیّدہ سودہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈبلیو۔ منٹگمری واٹ (W.Montgomery Watt) کہتا ہے کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیّدہ سودہؓ سے شادی کا اصل مقصد مسلمانوں کی بے سہارا

بیواؤں کو تحفظ ونگہداشت دینا ہی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے بعد میں جناب زینبؓ بنت خزیمہ سے بھی اسی وجہ سے شادی کی"۔

کیرن آرم سٹرانگ (Karen Armstrong)، پیغمبر خدا ﷺ کی حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے شادی کے متعلق مندرجہ ذیل نقطہ نظر رکھتی ہے:۔

"یہ ایک انتہائی جرات مندی اور دلیری کا کام تھا جس کو انجام دینے کے لیے مضبوط قوت ارادی درکار تھی۔ امت کی غیر محفوظ خواتین کے متعلق فکر مند ہونے اور انکو تحفظ فراہم کرنے کے لیے خود پیغمبرؐ اسلام نے مثال قائم کی۔ غزوہ اُحد کے شہید جہم بن عمرو کی بیوہ سیّدہ زینبؓ بنت خزیمہ سے غزوہ اُحد کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے ان سے چوتھی شادی کی اور انہیں گھر فراہم کیا۔ وہ بدو قبیلہ بنو ہوازن کے سردار کی بیٹی تھیں اس شادی سے اس قبیلہ کیساتھ سیاسی اتحاد مضبوط ہو گیا"۔

سیّدہ امّ سلمہؓ

سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ابوامیہ سہیل بن المغیرہ کی بیٹی تھیں جو قبیلہ قریش کے مشہور شاہسوار اور رہنما تھے۔ ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھنے والی سیّدہ ام سلمہؓ ایک خوشحال گھرانے میں نازونعمت میں پلیں۔ اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک خاتون تھیں۔ ان کی والدہ محترمہ عائلہ بنت عامر مشہور قبیلہ بنو فراس سے تھیں۔ آپ کی شادی عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوئی جو بعد میں ابوسلامہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ پیغمبر خدا ﷺ کی اسلام کی دعوت حق کے ساتھ ابوسلامہ اور ان کی بیوی دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مگر قریش کے ہاتھوں ایذا رسانی کے خوف سے دونوں حبشہ ہجرت کر گئے۔ سیّدہ ام سلمہؓ کے بطن سے ایک بیٹی اور ایک دوسری روایت کے مطابق ایک بیٹے نے بھی جنم لیا۔ جس کا نام سلامہ رکھا گیا۔ اور اسی وجہ سے بچے کے باپ کو ابوسلامہ اور والدہ کو امّ سلمہ کہا گیا۔

اس غلط اطلاع پر کہ جناب محمد ﷺ نے قریش مکہ سے صلح کر لی ہے امّ سلمہ اور ان کے خاوند واپس مکہ آ گئے۔ یہ جھوٹی خبر محض دونوں میاں بیوی کو دام تزویر میں لانے اور واپس مکہ لوٹنے کے لئے پھیلائی گئی اور جب وہ مکہ واپس آ گئے تو انہیں دشمنوں کے ہاتھوں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ دنوں کے بعد ابو سلامہ جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مگر سیّدہ امّ سلمہؓ کو ان کے والد نے مکہ میں روک لیا۔ خاوند کے ساتھ نہ جا سکنے اور مکہ میں والدین کے زبردستی روک لینے پر وہ بڑی کبیدہ خاطر اور دل آزردہ ہوئیں۔ کافی شدومد اور اصرار کے بعد سخت دل والدین کا دل پسیجا اور انہیں ان کے خاوند کے پاس جانے کی اجازت ملی۔ مگر میاں بیوی کا دوبارہ ملاپ بڑی مختصر مدت کے لئے تھا۔ کیونکہ غزوہ اُحد میں زخمی ہونے کے بعد ابو سلامہ کے خون میں زہر بھر گیا اور بالآخر وہ آٹھ ماہ بعد انتقال کر گئے اسی دوران اُم سلمہؓ ایک دوسرے بچے کے لیے حاملہ ہو گئیں۔ والد کے پاس واپسی کی کوئی سبیل نہ تھی اور ان کے پاس کوئی اثاثہ نہ تھا۔ ان کی قابل رحم حالت کا تذکرہ جب نبی اکرم ﷺ کے سامنے کیا گیا جو پہلے ہی اس حرماں نصیب صورتحال کے متعلق جان چکے تھے۔ انہوں نے انتہائی غور و فکر کے بعد انہیں شادی کا پیغام بھیج دیا تاکہ ان کی مصائب و تکالیف کو کم کرنے کے اقدامات کیے جا سکیں۔

شادی کا یہ پیغام پیغمبر اسلام ﷺ نے جناب عمرؓ کے ذریعے سے بھجوایا تو سیّدہ اُم سلمہؓ نے جواباً کہا وہ انتہائی حساس الطبع اور خوددار خاتون ہیں اور انہیں والدین نے لاڈ پیار سے پالا ہے۔ ان کے مرحوم خاوند نے انہیں ہر طرح کی عیش و آسانی مہیا کی اور کبھی ایک سخت لفظ بھی نہیں بولا بچوں کا بوجھ بھی ان پر ہے۔ ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے مالی استطاعت بھی نہیں۔ یہ سب چیزیں ایک خوش آئند شادی کے لیے مطابقت نہیں رکھتیں۔ جناب پیغمبر ﷺ نے جواب دیا کہ ان کی بھی کم و بیش یہی حالت ہے اس لیے ان کی اس طرح کی صورت حال پر وہ کبھی نکتہ چینی نہیں

کریں گے۔اس کے بعد شادی انجام پا گئی۔سیّدہ ام سلمہؓ ایک پختہ مزاج خاتون اور بچوں کی ماں تھیں۔ان کے اپنے بیٹے نے انہیں بطور دلہن رخصت کیا۔وہ ہفتہ میں تین دن یعنی سوموار، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھتی تھیں اور باقاعدہ تہجد گزار تھیں۔ انہوں نے سائلین اور حاجت مندوں کی امداد کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ تہہ دل سے اپنے خاوند ﷺ کی وسیع القلبی کے لیے اپنی ذات کو وفا کوشی میں محو کر دیں۔

سیّدہ حضرت عائشہؓ اور سیّدہ حضرت حفصہؓ کی طرح سیّدہ ام سلمہ بھی عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے عالمانہ ارشادات اور گفتگو سننے کی دلدادہ سامعہ تھیں۔انہیں بے شمار حدیثیں یاد تھیں جن میں سے وہ 378 حدیثوں کی راویہ ہیں۔

سیّدہ عائشہؓ کی طرح سیّدہ اُم سلمہ بھی خواتین کی نماز میں امامت کرتی رہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے سونے کا گلو بند پہنا ہوا تھا جناب پیغمبر خدا ﷺ نے اس گلو بند پر ایک معنی خیز نگاہ ڈالی تو ام المومنین سیّدہ ام سلمہ فوراً سمجھ گئیں اور جب تک انہوں نے وہ گلو بند خیرات نہیں کر دیا حضور ﷺ کے سامنے نہیں آئیں۔اس کے بعد جناب پیغمبر ﷺ نے انہیں اس سونے کے گلو بند کے بغیر دیکھا تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔

ان کا فرمان ہے کہ میدان جنگ میں جناب پیغمبر ﷺ سخت جنگجو ہوتے تھے۔ مگر جب ایک دفعہ جنگ ختم ہو جاتی اور مفتوح فوج کے قیدیوں کو لایا جاتا تو آپ ﷺ زبردست فیاضی اور رحمدلی کا مظاہرہ کرتے اور ان کی آسائش کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے۔ جنگ بدر کا ایک فوجی قیدی امتنان وتشکر کے جذبات سے مغلوب ہو کر چیخ چیخ کر کہتا تھا اے خدا ان مسلمانوں پر اپنی رحمتیں برسا جو اپنے بچوں سے بھی زیادہ ہمارا خیال رکھتے ہیں۔

اُم المومنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا

تھا جب انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر خدا ﷺ قیدیوں کے لئے بنائے گئے کیمپ میں محبوس قیدیوں کی آسائش کے لئے سخت دوڑ دھوپ کرر ہے تھے۔

سیّدہ امّ سلمہؓ رسول خدا ﷺ سے محبت اور جان نثاری میں دیگر امہات المومنین پر بازی لے گئیں جب آنحضرت ﷺ دنیا سے پردہ کرنے والے تھے تو جناب امّ المومنین ام سلمہؓ نے چیختے ہوئے کہا ''اے اللہ کے نبی ﷺ میں اور میرا سارا خاندان مرجائیں اور آپ زندہ رہیں''۔ جب انہوں نے اونچی آواز سے دردناک چیخ ماری تو آپ ﷺ نے معنی خیز اشارہ سے ان کو آہ وبکا اور غم میں ڈوبنے سے منع فرمایا۔ کہا جاتا ہے اس پر وہ خاموش ہوگئیں اور اپنے عظیم خاوند ﷺ کی جہانِ فانی سے رخصتی کے بعد کئی دنوں تک خاموش رہیں اور نہ کچھ کھایا نہ پیا۔

سیّدہ امّ سلمہؓ 84 برس کی طویل عمر کے بعد 63ھ میں رخصت ہوئیں۔ ان کے جنازہ میں ایک جم غفیر شامل تھا۔ وہ دیگر اُمہات المومنین کے پہلو بہ پہلو جنت البقیع میں استراحت فرما ہوئیں۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) لکھتا ہے۔

''سیّدہ ام سلمہؓ ابوسلامہ کی بیوہ تھیں جن کی زوجیت کے نتیجے میں انہوں نے کئی بچوں کو جنم دیا دونوں ملک بدر ہو کر حبشہ ہجرت کر گئے جہاں سے وہ واپس مدینہ آئے تو ابوسلامہؓ غزوہ احد میں زخمی ہوگئے اور آٹھ ماہ بعد انتقال فرما گئے اور پھر چار ماہ بعد ان کی بیوہ سے جناب پیغمبر خدا ﷺ نے شادی کر لی۔ ان کے بچوں میں ایک کی پرورش خود آنحضرت نے کی۔ دیگر روایات وحکایات کے مطابق ان کے کئی بچے تھے اور ان کی قابل رحم حالت کے پیش نظر جناب پیغمبر ﷺ نے انہیں شفقت پدری سے نوازا''۔

''ریلجس سسٹم آف دی ورلڈ'' (Religious System of the

(World) نامی کتاب میں ڈاکٹر لیٹنر (Dr. Leitner) لکھتا ہے:۔

''حبشہ کے بادشاہ نے اپنے ہاں پناہ گزینوں کو ان پر بدسلوکی اور تشدد کرنے والوں کے حوالے نہ کیا۔ کچھ حبشہ میں ہی فوت ہو گئے اور ان کی بیواؤں کو جو شاید حبشہ میں ہی تباہ حال ہو جاتیں۔ جناب محمد ﷺ نے انہیں اپنے اہل خانہ میں شامل کر لیا یہ نظریہ کہ جناب پیغمبر ﷺ کسی نامناسب خیال کے تحت ایسا کر رہے تھے بالکل بے بنیاد ہے۔ خاص طور پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی جوانی مکمل پارسائی سے عبارت تھی'' (1)۔

سیّدہ صفیہؓ بنت حیی

آپ یہودی قبیلہ بنی نضر سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد حیی بن اخطب خیبر کے آبادکاروں میں سے تھے (2)۔ صفیہ مسلم بن مشکم کی زوجہ رہیں۔ جس نے انہیں طلاق دے دی تھی۔ تب کنعانہ ابن الحقیق نے چھٹے سن ہجری کے آخر یا ساتویں سن ہجری کے شروع میں ان سے شادی کی۔ مگر اس کو بعد میں محمد بن مسلمہ نے قتل کر دیا۔ کیونکہ اس کے بھائی محمود کو یہودیوں نے کنعانہ کے اشارے پر زندہ جلا دیا تھا۔

جب پیغمبر ﷺ نے یہودیوں کی خفیہ سازش کو ناکام بنانے کے لئے خیبر پر حملہ کر کے فتح کر لیا تو جنگی قیدی خاتون صفیہ دحیہ الکلبی کے قرعہ فال میں نکلی۔ مگر پیغمبر خدا ﷺ نے انہیں آٹھ عدد جانوروں کے بدلے میں آزاد کرایا جو بعد ازاں ان کا حق مہر قرار پایا۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے انہیں اپنے ساتھ شادی کی پیشکش کی جو انہوں نے قبول کر لی اور وہ مسلمان بھی ہو گئیں۔ اس سے پیغمبر خدا ﷺ کی حکمت عملی یوں واضح

1۔ ام المومنین ام سلمہ حضور اکرم ﷺ کے طرز پر قرآن پڑھتی تھیں۔ حدیث میں حضرت عائشہ کے سوا ان سے برتر کوئی نہ تھا۔ ان سے 378 روائتیں مروی ہیں۔ بحوالہ سعدی انصاری/سیر الصحابیات/6/66 (مؤلف)

2۔ حی بن اخطب قبیلہ بنو نضر کا سردار تھا۔ سیدہ کی والدہ کا نام خرد تھا وہ شوال قریظہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔ (مؤلف)

ہوتی ہے کہ انہوں نے یہودیوں سے خونی رشتہ قائم کر کے یہودیوں کی اسلام دشمنی کو دوستی میں بدلنے کی خواہش کو پیش نظر رکھا۔ جیسا کہ انہوں نے ام المومنین سیّدہ جویریہؓ سے شادی کر کے قبیلہ بنی مصطلق کے مسلمانوں کے خلاف غم وغصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کیا تھا۔

اس شادی پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈبلیو منٹگمری واٹ (W.Montgommary Watt) اپنی کتاب ''محمد ایٹ مدینہ'' (Mohammad at Madina) میں لکھتا ہے:۔

''یہودیوں کی بیٹیوں صفیہ اور ریحانہ سے رشتہ داری استوار کرنے کے سیاسی محرکات بھی ہو سکتے ہیں''۔

مسلمانوں کے درمیان یہ بات زیر بحث تھی کہ آیا سیّدہ صفیہؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں یا کنیز تھیں؟ حضرت انسؓ بن مالک کی ایک روایت اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہے۔

''پیغمبر اسلام ﷺ خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن قیام پذیر رہے۔ اس دوران انہوں نے صفیہ کے ساتھ ایک شب بسری کی اور مجھے حکم دیا کہ مسلمانوں کو شادی کی دعوت میں شرکت کے لئے بلاؤ۔ روٹی اور گوشت میسر نہیں تھا مگر مسلمانوں کی تواضع کھجوروں، پنیر اور روغن خوردنی سے کی گئی۔

کچھ لوگوں نے سیّدہ صفیہؓ کے بارے میں کہا کہ آیا۔۔ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ تھیں یا ان کی کنیز۔۔ لوگوں نے کہا کہ اگر پیغمبر خدا ﷺ نے انہیں پردے/برقع میں رکھا تو وہ یکے از ازواج مطہرات ہیں۔ بصورت دیگر وہ کنیز ہیں۔ جب پیغمبر خدا ﷺ نے مدینہ کی جانب سفر کیا تو انہوں نے اپنے پیچھے سیّدہ صفیہؓ کے لئے جگہ بنائی اور ان کے اور دیگر لوگوں کے درمیان ایک پردہ لٹکا لیا۔ اور اس طرح پر تجسس

ذہنوں کی تسلی کرادی کہ مدتوں پرانی رسم کے مطابق انہوں نے سیّدہ صفیہؓ کو اپنی زوجہ ہونے کا درجہ عطا فرمایا''۔

ایک مرتبہ سیّدہ عائشہؓ نے سیّدہ صفیہؓ کے یہودی النسل ہونے کا تذکرہ کیا۔ جس پر سیّدہ صفیہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ جواب الجواب دے کر انہیں خاموش کردیا کہ

''عائشہ کو بتاؤ کہ تمہارا (سیّدہ صفیہؓ) باپ حضرت ہارون علیہ السلام تمہارے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمہارے خاوند اللہ کے پیغمبر ﷺ اور رسول ہیں''۔

سیّدہ حضرت صفیہؓ 50 ہجری میں فوت ہوکر جنت البقیع میں استراحت فرما ہوئیں (1)۔

سیّدہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ

عرف عام میں آپؓ کو رملہ کہہ کر پکارتے تھے۔ مگر اپنی بیٹی حبیبہ کی وجہ سے آپ کی کنیت ام حبیبہ تھی۔ آپ ابوسفیان جو اسلام لانے سے پہلے حضور ﷺ کی جان کے دشمن تھے کی بیٹی تھیں۔ سیّدہ کی شادی عبیدہ بن جحش سے ہوئی۔ جو ان کے ساتھ حبشہ ہجرت فرما گئے۔ لیکن وہاں جا کر عیسائیت قبول کرلی۔ تاہم سیّدہ ام حبیبہؓ اپنے عقیدہ اسلام کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہیں۔ عبیدہ کے عیسائیت قبول کرلینے سے ان کا ام حبیبہؓ سے شادی کا بندھن ٹوٹ گیا۔ بہرحال کچھ عرصہ بعد عبیدہ بن جحش مر گیا۔

جب جناب پیغمبر ﷺ کو ان کی قابل رحم حالت کا علم ہوا تو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو ام حبیبہؓ سے شادی کرنے کا پیغام بھیجا۔ اور سیّدہ ام حبیبہؓ نے اپنی رضا مندی ظاہر کردی۔

1۔ سیدہ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت زین العابدین اسحاق بن عبداللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ بحوالہ احمد بن حنبل/ المسند/ سیر العلام النبلا/ 2/ 232/ ابن حجر/ الاصابہ/ 13/ 14 (مؤلف)

اس حکمت عملی سے جناب رسول اللہ ﷺ نے دو مقاصد میں کامیابی حاصل کی۔ ایک طرف انہوں نے اپنی پسندیدہ حکمت عملی کے مطابق رنجیدہ خاطر خاتون کو ازسرنو زندگی میں بحال کر دیا اور دوسری طرف اس حکمت عملی سے اسلام کے کٹر دشمن ابوسفیان کو تخفیفِ مخالفتِ اسلام پر مجبور کر دیا۔ نجاشی بادشاہ نے اپنی لونڈی ابراہا کے ذریعے ام حبیبہؓ کو رسول اللہ ﷺ سے شادی کی تجویز کا پیغام پہنچایا۔ اس پیغام سے سیّدہ ام حبیبہؓ اس قدر خوش ہوئیں کہ آپ نے پیغام لانے والی لونڈی ابراہا کو اظہار تشکر کے طور پر چاندی کی دو چوڑیاں اور کچھ انگوٹھیاں تحفہ میں دیدیں۔

نجاشی بادشاہ نے حبشہ کے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور منگنی کی اس رسم میں خود میر مجلس بنا۔ خالد بن سعید جو بنوامیہ سے تھے انہوں نے دلہن کو رخصت کیا۔

جب ابوسفیان کو اس شادی سے آگاہ کیا گیا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکل گیا کہ کم از کم محمد ﷺ کے کردار پر بطور انسان کوئی سیاہ داغ نہیں۔ جناب محمد ﷺ سے شادی کے وقت سیّدہ ام حبیبہؓ 35 سال کی تھیں۔ وہ بہت ہی مہربان اور بامروت خاتون تھیں۔ جو پیغمبر ﷺ کا دل سے بے پناہ احترام کرتی تھیں۔ ان کے دل میں خوف خدا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ نہ صرف اپنی بخشش بلکہ تمام مسلمانوں کی بخشش کے لئے دعا کرتی تھیں۔ یتیموں کی پرورش اور دیکھ بھال کے لئے ان کا بہت اونچا مقام تھا۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان فوت ہو گیا تو اس کے تمام بچوں کو مہربان خاتون نے اپنی کفالت میں لے لیا اور اس وقت تک ان کی دیکھ بھال کرتی رہیں جب تک وہ جوان نہ ہو گئے۔

واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) اپنی تصنیف ''لائف آف محمد ﷺ'' (Life of Mahomet) میں رقمطراز ہے:۔

''بیوہ (سیّدہ ام حبیبہ) جناب محمد ﷺ کے شدید دشمن ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔

سیاسی اندازِ فکر و سوچ کو بروئے کار لاتے ہوئے پیغمبر خدا نے سوچا کہ اس شادی سے سیّدہ ام حبیبہ کے والد ابوسفیان کی اسلام دشمنی کو کم کیا جا سکتا ہے''۔

ولیم میور (Willium Muir) تسلیم کرتا ہے کہ:۔

''جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ امید تھی کہ ام حبیبہ کے والد ابوسفیان کو وہ اپنے مشن کی کامیابی کے لئے مددگار بنانے کی توقع یا امید کر سکتے ہیں''۔

آرتھر این وولسٹن (Arthur N. Woolaston)(88)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیّدہ ام حبیبہؓ سے شادی کے بارے میں لکھتا ہے کہ:۔

''قیاس ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے اپنی اس حکمت عملی کے پس پردہ ان محرکات کے پیش نظر سیّدہ ام حبیبہ کو پہلے سے موجود کئی ازواج مطہرات کی فہرست میں شامل کر لیا انہیں امید تھی کہ ام حبیبہ کسی حد تک اپنے تندرو، بے رحم طاقتور دشمنِ اسلام باپ ابوسفیان کو نرم رویہ اختیار کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں''۔

نابیہ ایبٹ (Nabia Abbot) تبصرہ کرتی ہے:۔

''ان کی عمر اس وقت 35 برس تھی اور اس طرح جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی شادی ممکنہ طور پر انکے والد ابوسفیان سے بہتر دوستانہ تعلقات اور رشتہ استوار کرنے کی ایک کوشش تھی یا پھر جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مخالفین کے لیے معنی خیز اشارہ جو ان کی تازہ کامیابیوں اور استحکامِ طاقت اور اثر و رسوخ کی نشاندہی کر رہا تھا۔''

ایمائیل ڈرمنگھم (Emile Dermengham) لکھتا ہے:

''حدودِ جوانی سے باہر قدم رکھ چکنے کی وجہ سے ان کی حرم نبوی میں اہمیت نسبتاً کم تو ہو سکتی ہے اور بلا لحاظ اسکے کہ ایک معروف شخص کی بیوہ ہونیکی وجہ سے انہیں معزز سمجھا جاتا، یہ بات بہر طور تسلیم کرنا پڑیگی کہ اس شادی نے ان کے والد ابوسفیان اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان قربت پیدا کر دی''۔

"انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" (Encyclopedia of Islam) میں ابوسفیان پر لکھے گئے آرٹیکل میں ڈبلیو منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) لکھتا ہے۔

"محمد ﷺ کی ابوسفیان کی بیٹی سے شادی نے ان کے دل میں جناب محمد ﷺ کے لیے نرم گوشہ ضرور پیدا کر دیا ہوگا۔ جب جناب محمد ﷺ نے صلح حدیبیہ کے کچھ عرصہ بعد مکہ پر حملہ کیا تو ابوسفیان، حکم بن خرام کے ساتھ شہر سے باہر آیا اور آپ کی اطاعت (یقیناً مسلمان ہونے کے لیے) تسلیم کر لی۔

سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے کڑے وقت میں وطن سے دور یکہ و تنہا بے یارو مددگار بیوہ کو آسائش مہیا کرنے اور سیاسی سوچ اور فکر نے ان کے ساتھ شادی میں اہم کردار ادا کیا"۔

ارونگ (Irving) کہتا ہے:۔

"بیوہ ام حبیبہؓ رسول ﷺ کے کٹر دشمن ابوسفیان کی بیٹی تھی۔ پیغمبر ﷺ کی سیاسی سوچ یہ تھی کہ ام حبیبہؓ سے شادی کر لینے سے اسکے باپ ابوسفیان کی دشمنی کو کم کیا جا سکے گا"۔

قارئین نبی اکرم ﷺ کے متعلق مغربی سیرت نگار جان گلب (John Glub) کی کتاب "دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمد ﷺ" (The Life and Times of Mohammad) سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کریں:

"یہ واقعہ ہمارے ذہنوں پر عجیب و غریب اثر کرتا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف خاندانوں کی لڑکیوں سے شادیاں محض اس لیے کیں کہ ان خاندان والوں سے حضور ﷺ سے تعلقات استوار ہوں۔ آپ ﷺ نے خاص طور پر حبشہ کے شہنشاہ کو لکھ کر سیّدہ اُم حبیبہؓ کو مدینہ بلوایا۔ اگر آپ ﷺ کا مقصد صرف ایک

عورت کا حصول ہی تھا تو ایک سے ایک بڑھ کر ایک حسین وجمیل اور خوبصورت سے خوبصورت لڑکی عرب ہی میں آپ کو مل سکتی تھی۔ سینکڑوں خوبصورت لڑکیاں عرب ہی میں موجود تھیں۔ ان ساری پری پیکروں کو چھوڑ کر سیدہ ام حبیبہ کو جو بیوہ بھی تھیں حبشہ سے بلوا کر حضور ﷺ کا شادی کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضور ﷺ غالباً ام حبیبہ کے توسط سے ابوسفیان کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنانا چاہتے تھے''(1)۔

اس حقیقت کا اعتراف سر ولیم میور کو بھی ہے۔ وہ اپنی تصنیف ''دی لائف آف محمد'' (The Life of Mohammad) (جلد چہارم صفحہ 59) میں یوں رقمطراز ہے:۔

''پیغمبر اسلام ﷺ کو توقع تھی کہ سیدہ ام حبیبہ کے والد ابوسفیان اس طرح (نکاح) سے آپ ﷺ کے مقصد کے قریب تر ہو جائیں گے''۔(2)

سیّدہ جویریہؓ بنت حارث

ڈبلیو۔ منٹگمری واٹ (W.Montgomery Watt) کے مطابق

''سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ جن کی جناب محمد ﷺ کے ساتھ خصوصی پرخاش تھی''۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) اپنی تصنیف ''لائف آف محمدؐ (Life of Mohammad) میں کہتا ہے:

''بنو مصطلق قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی جس کے لوگ ابھی پرانے عقیدہ کے پیروکار تھے وہ اپنی صفیں ترتیب دینے لگے تھے کہ وہ مدینہ منورہ پر حملے کی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قریش مکہ کا ساتھ دے سکیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اچانک دلیرانہ حملہ کر کے ان کی کوشش ناکام بنادی۔

وہ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں ان کی شادی مصافع بن صفوان

سے ہوئی تھی جو کسی جنگ میں مارا گیا۔ غزوہ مریساہ میں دشمن بدترین شکست سے دوچار ہوا اور بہت سارا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ مروجہ دستور کے مطابق سیّدہ جویریہؓ ثابت بن قیس انصاریؓ کے حصہ میں آئی۔ اس کے سماجی معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے ثابت بن قیس نے اس کا فدیہ 9 اونس سونا مقرر کیا۔ جویریہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر فدیہ کی رقم فراہم کرنے کی درخواست کی۔ پیغمبر خدا ﷺ نے کہا کہ "کیسا رہے گا اگر فدیہ ادا کر کے تمہیں آزاد کر کے تم سے شادی کرلوں"۔

"ان کے مستقل روزے پورے خاندان میں مشہور تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ترویج اسلام کے لیے وقف کر دیا وہ مذہبی کتب کی پرجوش قاریہ تھیں جن میں قرآن پاک کا بطور خاص ذکر ہے جو انہوں نے سیّدہ عائشہؓ سے پڑھنا سیکھا۔ سیّدہ عائشہؓ نبی کریم ﷺ کی اس شادی پر بہت خوش تھیں کیونکہ اس عقد سے عقیدہ اسلام اور بانی اسلام کی شان میں اضافہ ہوا۔ وہ جناب جویریہ رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ قرار دیتی تھیں۔ ام المومنین سیّدہ عائشہؓ نے ایک اجتماع میں فرمایا، جویریہ سے بڑی نعمت لوگوں کے لئے کوئی نہیں یا پھر یہ کہ نبی کریم ﷺ کے لیے سیّدہ جویریہؓ سے شادی کا جواز ایسا ہے جیسے کہ وہ جنگ بغیر لڑے جیت لیں۔ ان کی شخصیت مسحور کن تھی۔ کوئی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا"۔

ہجرت کے پچاسویں برس آپ 65 برس کی عمر میں جناب امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئیں اور جنت البقیع میں استراحت فرما ہوئیں۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جونہی شادی کی صدائے بازگشت چار دانگ عالم میں سنی گئی تو لوگ کہتے تھے کہ اب بنی مصطلق انکے رشتہ دار بن رہے ہیں اس لئے بنی مصطلق کے بقیہ قیدیوں کو

جناب جویریہؓ کے حق مہر میں آزاد کر دیا جائے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر خوش آئند بات تھی کہ ام المومنین عائشہؓ نے آنے والے دنوں میں فرمایا کہ:

''اسکے بعد کوئی عورت ان لوگوں کیلئے سیّدہ جویریہؓ سے بڑی نعمت نہ ہوگی''۔

واشنگٹن ارونگ (*Washington irving*) بیانی ہے:

''ان کا فدیہ پیغمبر ﷺ کی طرف سے ثابتؓ کو ادا کر دیا گیا انکے اعزہ واقارب مسلمانوں نے آزاد کر دیئے تھے اور ان میں سے بیشتر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا'' [سنن ابوداؤد، کتاب العتق:]

ایمائیل ڈرمنگھم (*Emile Dermenghham*) لکھتا ہے:۔

''اس اتحاد اور دوستی کو مزید مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے اور منگیتر کے حق مہر کے عوض مومنین نے سو قیدی رہا کر دیئے۔ قبیلہ بنی مصطلق کے شیخ الحارث اس کے بیٹے اور کئی دوسرے افراد نے فوری طور پر اسلام قبول کر لیا۔

سر جان گلب (Sir John Glubb) اپنی تصنیف ''لائف اینڈ ٹائم آف محمد ﷺ'' ("Life and Time of Mohammad") میں کہتا ہے۔

''...اس طرح بنو مصطلق جنگی فتح سے بڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے''۔

سیّدہ ماریہ قبطیہؓ

''صلح حدیبیہ کے بعد جناب پیغمبر ﷺ نے عرب کے سرداروں کو ایک عشائیہ پر مدعو کیا۔ فرماں روائے شام اور دیگر ممالک کے سربراہان کو اس عشائیہ میں ذاتی طور پر مدعو کیا عشائیہ میں ان میں سے بہت سے سربراہان ممالک حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

سیّدہ مریم جو ماریہ بنت شمعون کے نام سے موسوم تھیں انہیں قبطی سردار مقوقس نے ان کی ہمشیرہ مرین کے ساتھ بہت سے گھوڑوں، اونٹوں اور دیگر پالتو جانوروں کے ساتھ تحفتاً جناب محمد ﷺ کی خدمت میں بھجوایا۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ

لونڈیوں کو فرماں رواؤں اور اونچے طبقے کے لوگوں کے لیے بطور تحفہ پیش کیا جاتا تھا۔ اس لیے جب گورنر نے جناب رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ یہ لڑکیاں حیادار خواتین ہیں تو انہیں انکے خوش آمدید کہنے کا یقین دلایا گیا۔

دونوں لڑکیوں نے مسلمانوں کے پڑاؤ میں پہنچنے سے پہلے ہی اسلام قبول کرلیا اور سیّدہ ماریہ قبطیہ کو حرم نبوی میں بطور زوجتہ الرسول ﷺ داخل کرلیا گیا۔ اس عقد کے طفیل ایک بیٹے جناب ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی جو کم سنی میں ہی وفات پا گئے۔ اور اپنے بیٹے کی وفات کے پانچ سال بعد سیّدہ ماریہ قبطیہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں اور جنت البقیع میں اپنے بیٹے کے قریب ہی مدینہ منورہ میں استراحت فرما ہوئیں۔

جناب ابوبکرؓ اور جناب عمرؓ نے اُمّ المومنین سیّدہ ماریہ قبطیہؓ کے مقام و مرتبت کے پیش نظر انکے رشتہ داروں کو اعزازیہ ادا کرنا جاری رکھا کیونکہ سیّدہ ماریہ قبطیہ صرف اُمّ المومنین نہ تھیں بلکہ جگر گوشہ رسول ﷺ جناب ابراہیمؑ کی والدہ محترمہ بھی ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھ کے تارے تھے اور کمسنی میں ہی داغ مفارقت دے گئے۔ (1)

سیّدہ زینب بنت جحشؓ

سیّدہ زینب بنت جحشؓ میمہ بنت عبدالمطلب حضور ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ ان کی کنیت امّ حکیم تھی۔ اعلیٰ نسب وحسب کی حامل یہ خاتون مدینہ منورہ ہجرت کرنے والے اولین مہاجرین میں شامل تھیں۔

---

1 سیدہ ماریہ قبطیہ کو بعض مفسرین نے آنحضور ﷺ کی کنیز گردانا۔ جو صراحتاً غلط ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہؓ سے تمتع کیا تھا۔ اور اس ازدواجی تعلق کی بنا پر حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم تولد ہوئے۔ بعینہ ایسا واقعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ جنہیں مصر کے بادشاہ نے حضرت حاجرہ کو بطور کنیز پیش کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت حاجرہ کو اپنی زوجیت میں داخل کر کے ان سے تمتع کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ جن کی اولاد پاک سے نبی آخر الزمان ﷺ کا ظہور ہوا۔ بحوالہ بخاری شریف۔ باب نمبر 8 حدیث الانبیاء حدیث نمبر 3358 (مولف)

اس سے قبل کہ ہم سیّدہ زینب بنت جحشؓ کی رسول ﷺ کی زوجیت میں آنے کا ذکر کریں۔ ہم پہلے سیّدہ زینب بنت جحش کی جناب حضرت زید بن حارثؓ کے ساتھ شادی کے حقائق بیان کرتے ہیں۔ جناب زید بن حارثؓ کواوائل عمری میں ہی غلام بنالیا گیا تھا جنہیں مکہ لایا گیا تو سیّدہ ام المومنین خدیجہؓ نے خرید کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے اس غلام سے اتنا مشفقانہ سلوک اور برتاؤ روا رکھا کہ جب اس کے والد انہیں حضور ﷺ کی غلامی سے آزاد کرانے آئے تو انہوں نے حضور ﷺ کی غلامی سے آزاد ہونے سے انکار کر دیا اور پھر سرکار دو جہاں ﷺ نے اسے آزاد کرتے ہوئے اپنا متبنیٰ بطور بیٹا قرار دیدیا جس کے بعد لوگ اسے زید بن محمد ﷺ کہنے لگے۔ سیاہ رنگت والے زیدؓ آداب سے زیادہ آشنا نہ تھے۔ عقائد و نظریات اسلام کے مطابق رنگ و نسل، اونچ نیچ اور آزاد اور غلام کے فرق کو مٹانا مقصود تھا حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن سیّدہ زینب بنت جحش کی شادی جناب زیدؓ سے انجام دینے کا فیصلہ کیا جو کہ اب ایک آزاد غلام تھے اور جسے رسول اکرم ﷺ نے اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیا۔ پہلے پہل تو سیّدہ زینب بنت جحش جو جناب زید کے مقابلے میں قریش کے اعلیٰ حسب ونسب رکھنے والے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ خاصی جز بز ہوئیں اور انکار کر دیا۔ تاہم بعد میں انہوں نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے معاملہ جناب رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا جنہوں نے ان کی شادی جناب زید بن حارث سے کرادی۔

دوران شادی سیّدہ زینب بنت جحش کا سلوک اپنے خاندانی حسب ونسب کے پیش نظر بڑا متکبرانہ تھا کہ وہ قریش کے ایک اعلیٰ قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے خاوند زید بن حارثؓ غیر قریش اور نسبتاً کم درجے کے قبیلے سے ہیں۔ ان کا سلوک زید بن حارث سے اچھوتوں جیسا تھا۔ کچھ عرصہ تو زید بن حارثؓ برداشت کرتے رہے مگر

جب مابین فریقین تعلقات بہتر نہ ہو سکے تو بالآخر انہوں نے سن 5 ہجری میں انہیں طلاق دے دی اور اسی پس منظر میں قرآن پاک کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

"جب زیدؓ کی غرض اس سے نکل گئی تو وہ ہم نے تمہارے نکاح میں دے دی۔ کہ مسلمانوں پر کوئی حرج نہ رہے اُن کے لے پالکوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے" (سورت الاحزاب۔ آیت نمبر 37)

اس طلاق کے بعد جناب پیغمبر ﷺ نے سیّدہ زینب بنت حجش کو اپنے عقد میں لے کر حرم نبوی میں داخل کیا۔ اور سیّدہ زینبؓ بن حجشؓ فخر سے ان مخصوص حالات کا ذکر کرتیں اور فرماتیں کہ دیگر اُمہات المومنین کو ان کے والدین اور بھائیوں نے جناب محمد ﷺ کے نکاح میں دیا جبکہ ان کی شادی وحی الٰہی کا نتیجہ ہے۔ وہ جناب پیغمبر ﷺ کی بہت شکر گزار تھیں جنہوں نے انہیں نئی زندگی کی شروعات کرا کے انکے دامن سے طلاق کی رسوائی کے داغ کو یکسر مٹا دیا۔ آپ کی وفات 53 برس کی عمر میں سن بیس ہجری میں ہوئی۔

مغربی ناقدین نے جناب پیغمبر ﷺ کی اس خاص شادی کو بالخصوص تنقید و تنافر کے لیے منتخب کیا اور اس کو جناب پیغمبر ﷺ کی خودغرضی اور جنسی ہوس پرستی (اعیاذ باللہ) پر محمول کرتے ہوئے عجیب اتہام طرازی اور عناد کا مظاہرہ کیا ہے۔

نابیہ ایبٹ (*Nabia Abbot*) نے پیغمبر ﷺ کی ذات اقدس پر انتہائی رکیک حملے کرتے ہوئے کفر بکنے کی حد تک توہین رسالت کا ارتکاب کیا یہاں تک الزام تراشی کی کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی اس شادی کو درست قرار دینے کا جواز پیش کرنے کے لیے من گھڑت وحی الٰہی کے نزول کا حوالہ دیا۔۔۔۔ سچائی کی روشنی کا ادراک ایک جاہل کے لیے مشکل ہے۔ اور ایسی جاہل بدنیت اور ناہنجار شخصیت کی بات کا اعتبار کرنا ایک عقل سلیم رکھنے والے شخص کے لیے قطعاً ناممکن ہے۔ ایسے

الزامات لگانے سے پہلے لئے مدتوں قدیم دستور کو پیش نظر رکھنا ضروری تھا کہ عربوں میں منہ بولا بیٹا بنانے کا دستور بمنزلہ قانون رائج تھا اور ایسے منہ بولے بیٹوں کو وراثت میں حصہ دار بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس واقعہ سے تو یقیناً آنحضرت ﷺ کا مقام و مرتبہ اور بھی بلند ہو جاتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف آزاد شدہ غلام سے محبت اور شفقت کا سلوک روا رکھا بلکہ اسے اپنا لے پالک اور متبنیٰ ہونے کا مقام عطا کیا۔

یہ بدقسمتی تھی کہ جناب زید بن حارثؓ اور سیّدہ زینب بنت جحشؓ کی شادی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور طلاق پر منتج ہوئی جس سے نہ صرف پیغمبر خدا ﷺ کے جذبات مجروح ہوئے بلکہ اہل خاندان میں سیّدہ زینب کو بھی رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے مذکورہ بالا وحی نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو سیّدہ زینب بنت جحشؓ سے شادی کرنے کی اجازت ملی اور پھر انہی دنوں میں منہ بولا بیٹا بنانے کے مصنوعی رشتے کے قدیمی رواج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے مندرجہ ذیل آیات قرآنی نازل ہوئیں۔

> ”اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے اور ان عورتوں کو جنہیں تم ماں کہہ دیتے ہو وہ تمہاری ماں نہ بن جائے گی اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا۔ یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے“۔
>
> ”انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچا زاد یعنی تمہارے دوست اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ہوا ہاں وہ گناہ جو قصد دل سے کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان

ہے"(سورۃ الاحزاب آیات نمبر 4-5)

اس طرح وراثت کے اصول فقہ میں ایک اہم نوعیت کی تبدیلی وقوع پذیر ہوئی جس کی رو سے لے پالک بچوں کو ترکہ سے حصہ پانے سے محروم کر دیا گیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ نہ صرف یہودی، عیسائی معاشرے میں بلکہ ہندومت میں لے پالک بچوں کا تصور اور نظریہ ابھی تک موجود ہے اور قانونی حیثیت کا حامل ہے۔

مغربی ناقدین آنحضرت ﷺ کی سیّدہ زینب بنت جحش سے شادی پر قطعی ناجائز حملہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے نیک نیتی اور خلوص پر مبنی اندازِ فکر اور رویے کو نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ اگر چاہتے تو سیّدہ زینب بنت جحشؓ سے پہلے ہی ان کی شادی حضور ﷺ کے خاندان کے کسی بھی فرد کی پس و پیش کے بغیر ہو سکتی تھی۔ اور اس کے لیے جناب زینب بنت جحش کا پہلے زید بن حارثؓ کے عقد میں دیے جانے اور پھر علیحدگی کا انتظار کرنا قطعاً ضروری نہ تھا۔

یہاں ہم کچھ مغربی سکالرز کا حوالہ دیتے ہیں جو اندھے تعصب کا شکار نہیں۔

آر۔ باس ورتھ سمتھ (R. Bosworth Smith) اپنی تصنیف "محمد اینڈ محمڈن ازم" (Muhammad and Muhammadanism) میں لکھتا ہے:

"جناب محمد ﷺ کی شادی جو انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام اور لے پالک کی بیوی سیّدہ زینب بنت جحشؓ کو زید سے طلاق ہونے کے بعد کی، بظاہر تو کچھ بھلی معلوم نہیں ہوتی مگر اس ساری صورت حال کے بنظر غائر عمیق مطالعہ کے بعد اور تمام حالات وواقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں مطمئن ہوں کہ اس بارے میں عیسائیت کی طرف سے دی جانے والی توجیہہ خلاف حقائق ہے۔ اس صورت حال پر زمانہ جاہلیت کے عربوں کا زبردست شور وغوغا اس وجہ سے نہیں تھا کہ خدانخواستہ وہ حصول

طلاق کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سازش کا نتیجہ سمجھتے تھے تا کہ وہ بعد از طلاق سیّدہ زینب بنت جحشؓ سے شادی کر سکیں بلکہ وہ اپنے قدیمی رواج کے مطابق لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے اور اس وجہ سے وہ اس شادی کو ممنوعہ اور خلاف رواج گردانتے تھے۔اس پابندی اور امتناع کو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجوہ ظالمانہ فعل گردانا اور سیّدہ زینب بنت جحشؓ سے شادی کر کے اپنے لیے نہیں بلکہ عام عربوں کے مفاد کی خاطر اس ظالمانہ رواج کو مٹا ڈالا اور عربوں کی جہالت اور سادہ لوحی پر مبنی اس دستور اور رواج کو جس کی خلاف ورزی بظاہر بہت بڑا جرم تصور ہوتی تھی یکسر ختم کر دیا''۔

باس ورتھ (Bosworth) مزید لکھتا ہے۔

''غلط فہمی کی بنیاد پر کی گئی اتہام طرازی سیّدہ زینب کی داستان میں کارفرما نظر آتی ہے۔مثال کے طور پر سیّدہ زینب بنت جحشؓ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے ساتھ شادی میں کوئی امر مانع نہیں تھا۔خصوصاً جب دونوں عنفوان شباب سے گزر رہے تھے''۔

ڈاکٹر لیٹنر (Dr Leitner) بھی جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیّدہ زینب بنت جحشؓ سے شادی کے سلسلے میں لگائے گئے الزامات کو بے بنیاد تصور کرتے ہوئے تردید میں لکھتا ہے۔

''جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے آزاد کردہ غلام اور لے پالک زید بن حارث کی مطلقہ بیوی سیّدہ زینبؓ سے شادی نے غلط فہمی کو جنم دیا ہے۔اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کفار عرب اپنے لے پالک بیٹے کی مطلقہ بیوی سے شادی کرنا غلط سمجھتے تھے۔جبکہ وہ اپنی ماں کے علاوہ اپنے مرحوم باپ کی دوسری بیویوں سے شادی کر لینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔بالکل ایسے ہی جیسے آجکل کچھ لوگ ایک پیغمبر پر نازل کیے گئے احکامات عشرہ کی خلاف ورزی کرنا معیوب نہیں سمجھتے اور بے وجہ اتوار کو سیٹیاں

بجانا ان کے نزدیک کوئی بری بات نہیں۔ جناب محمد ﷺ نے اس بے ہودگی کو یہ قرار دے کر کہ لے پالک بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا یکسر ختم کر دیا۔ اس سچ پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لیے اور اس شادی کے جواز کو درست قرار دینے کے لیے پیغمبر ﷺ اسلام پر وحی اتاری گئی جسے غلط رنگ دے کر ایک ناجائز فعل قرار دیا گیا"۔

منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) جو عمومی طور پر جناب پیغمبر ﷺ کے مخالفین کی صف میں نظر آتا ہے تسلیم کرتا ہے کہ جناب پیغمبر ﷺ کی سیّدہ زینب بنت جحشؓ سے شادی کے پس منظر میں زمانہ جاہلیت کے قدیم نافذ العمل رواجوں کی گرفت کو پاش پاش کرنا مقصود تھا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"اس تمام معاملہ کی اصل مضمرات واضح نہیں لیکن قرآن پاک کی آیات کی تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ لے پالک اور حقیقی بیٹوں کے حقوق میں برابری کے معاملے میں صورت حال قابل اعتراض تھی اور یہ مناسب تھا کہ ماضی کی اس ناپسندیدہ روایت سے خلاصی حاصل کی جائے۔ قرآن کی رو سے ابتدائی طور پر جناب محمد ﷺ سیّدہ زینب بنت جحشؓ سے شادی کے لیے رضامند نہ تھے۔ اور عوامی رائے کے بارے میں فکرمند تھے۔ لیکن جب ان پر حکم خداوندی نازل ہوا تو انہوں ﷺ نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے زینب بنت جحشؓ سے شادی کرنا منظور کر لیا۔ ان ﷺ کی اس شادی نے مومنین کے لیے اس امر کی دلیل اور حجت قائم کر دی کہ لے پالک بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے شادی کرنا نہ تو قابل اعتراض فعل ہے اور نہ ہی اس پر اسلام کی رو سے کوئی قدغن ہے۔ جناب پیغمبر ﷺ کی ذات اقدس پر یہ تنقید زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کی بنیاد پر تھی۔ اسے اسلام نے یکسر مسترد کر دیا۔ اس شادی میں جناب پیغمبر ﷺ کا ایک بڑا مقصد زمانہ جاہلیت کے انسان کے بنائے ہوئے رواجی تصور کو منہدم کرنا تھا"۔

واٹ (Watt) اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ جناب پیغمبر ﷺ جناب زینب بن جحش ؓ کے حسن پر فریفتہ تھے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

''جب جناب پیغمبر ﷺ نے یہ محسوس کیا کہ اب وہ اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ وہ عوامی رائے کی پرواہ کئے بغیر ایسی شادی جو سیاسی اور سماجی طور پر قابل تحسین نہ تھی کرلیں تو وہ ایسا کر گزرے۔ ایسی حکایتیں ناقابل یقین ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ سیّدہ زینب ؓ بنت جحش ؓ کی جسمانی جاذبیت سے متاثر تھے۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات سیّدہ زینب بنت جحش ؓ کی خوبصورتی سے خائف تھیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ سے سیّدہ زینب بنت جحش ؓ کی شادی کے وقت آپ کی عمر 35 سال یا شاید 38 سال تھی جو عرب خواتین میں ادھیڑ عمری تصور ہوتی ہے''۔

سر جان گلب (Sir John Glubb) جناب پیغمبر خدا ﷺ کی سیّدہ زینب بنت جحش ؓ سے شادی کے متعلق لکھتا ہے:۔

''مخالفین آنحضرت ﷺ پر دہری تنقید کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ظہور اسلام سے قبل لے پالک بیٹوں کو گود لینے والے کا حقیقی بیٹا تصور کیا جاتا تھا اور اسکے حقوق حقیقی بیٹے کے برابر تھے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے جب حضرت زید کو کعبہ میں زمانہ جاہلیت میں لے پالک بنایا تو اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے دعوت اتباع حق نہ دی تھی۔

دوسری بات یہ تھی کہ ظہور اسلام سے قبل جب کوئی آدمی مرجاتا تھا تو اس کی بیویاں اس کے بیٹے کی ملکیت میں چلی جاتی تھیں۔ پیغمبر خدا ﷺ نے خود اس رواج و دستور سے منع فرمایا اور فرمایا کہ کسی بھی شخص کے لیے اپنے مرحوم باپ کی بیوہ سے شادی کرنا انتہائی مکروہ اور باعث توہین فعل ہے۔ جناب محمد ﷺ کی سیّدہ زینب

بنت جحشؓ سے شادی کے ناقدین نے کہا کہ نبی ﷺ نے خود اپنے قول کی اپنے فعل سے خلاف ورزی کی ہے اور اصول شکنی کرتے ہوئے سیّدہ زینبؓ بنت جحش جو انکے لے پالک بیٹے کی بیوی تھی سے شادی کر لی۔ حالانکہ درحقیقت یہ پابندی بیٹے کے اپنے مرحوم باپ کی بیوی سے شادی کرنے سے متعلق تھی۔ بعدازاں ایک آسمانی وحی کے نزول کے ذریعہ یہ حکم ہوا کہ لے پالک بیٹوں کا مقام حقیقی اور قدرتی بیٹوں جیسا نہیں۔ جس کے ذریعہ اسلام کی رو سے متبنٰی بنانے کو ممنوع قرار دے دیا گیا''۔

وحی الٰہی جس کے ذریعے سیّدہ زینب بنت جحشؓ سے جناب پیغمبر ﷺ کی شادی کو سند قبولیت بخشی اسمیں پیغمبر ﷺ سے تادیباً فرمایا گیا کہ حکم خداوندی کے نزول کے باوجود جناب پیغمبر ﷺ نے سیّدہ زینبؓ بنت جحش سے شادی کرنے میں تامل کیوں برتا۔ حالانکہ انہیں لوگوں کی تنقید کی پرواہ کیے بغیر رب العزت کی مرضی اور حکم کی بجا آوری کرنا چاہیے تھی۔ جبکہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 37 میں قرآن، زید بن حارثؓ کے نام کا حوالہ دیتے ہوئے اس معاملہ کی وضاحت یوں کرتا ہے کہ:

''اے محبوب ﷺ یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بیوی اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنے کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے۔ ان کے لے پالکوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے''۔ (37) سورۃ الاحزاب۔

کیرن آرم سٹرانگ (Karen Armstrong) اس معاملہ میں کہتی ہے:۔

''جناب محمد ﷺ ہمیشہ جحش کے خاندان بشمول سیّدہ زینبؓ کے بڑے قریب

تھے۔ مسلمانوں کے سیّدہ زینبؓ بنت جحش کو طلاق ہو جانے کے بعد یقیناً رسول اللہ ﷺ انکے بارے میں اور بھی زیادہ حساس ہو گئے تھے کیونکہ ہم سب جانتے ہیں کہ امت کی دیگر بے سہارا خواتین جنکے کوئی پرسان حال نہ تھے کے سلسلے میں جناب پیغمبر ﷺ از حد فکرمند رہتے تھے۔ اگر وہ سیّدہ زینبؓ سے جنسی رغبت رکھتے ہوتے تو وہ کئی سال پہلے ہی خود ان سے شادی کر سکتے تھے۔ اس واقعے سے درحقیقت یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ لے پالک رشتے ہرگز خونی رشتے نہیں ہو سکتے۔ اور ان کی آپس کی شادیوں میں کوئی رکاوٹ نہ ہے''۔

جان ڈیون پورٹ (John Davenport) یوں رقم طراز ہے:۔

''جناب محمد ﷺ کے خلاف ان کے دشمنوں کا یہ الزام کہ لے پالک کی بیوی سے شادی ناجائز تھی بے معنی ہے۔ اصل حقائق یہ ہیں کہ نفاذ اسلام سے بہت پہلے عربوں میں ایک رسم تھی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہہ کر مخاطب کر بیٹھا تو وہ اس عورت کے ساتھ بطور خاوند نہیں رہ سکتا تھا۔ اس طرح اگر کوئی شخص کسی نوجوان کو بیٹا کہہ کر مخاطب کر لیتا تو ایسا نوجوان فی الفور اس کے حقیقی بیٹے جیسے حقوق کا حقدار ٹھہر جاتا۔ مگر قرآن پاک نے ایسے تمام رواجوں کو کالعدم قرار دیدیا۔ اور اس طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہہ کر مخاطب کر لے تب بھی وہ اس کو بطور بیوی اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ کوئی شخص اپنے لے پالک بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لے تو ایسی شادی شرعاً جائز ہو گی۔ محمد ﷺ جو ایک خاتون سیّدہ زینبؓ کے لیے نہایت احترام رکھتے تھے۔ اُس کی شادی زیدؓ سے تجویز فرما دی جس کے لیے بھی جناب محمد ﷺ کے دل میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ مگر یہ شادی کامیابی اور خوشی سے ہمکنار نہ ہو سکی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ناپسندیدگی کے باوجود زیدؓ نے سیّدہ زینبؓ بنت جحش کو طلاق دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جناب محمد ﷺ جو اس صورت حال سے باخبر تھے اور اپنے

آپ کو مورد الزام ٹھہراتے تھے کہ آپ ﷺ نے اس شادی کی تجویز دی۔ سیّدہ زینبؓ کے آنسوؤں نے پیغمبر خدا ﷺ کو رنجیدہ خاطر کر دیا۔ اس صورتحال کی تلافی جوان کے اختیار میں تھی وہ یہ کہ انہوں نے زیدؓ کی مطلقہ کو بطور زوجہ حرم نبوی میں داخل کرنے کا مشکل فیصلہ کر لیا۔ مگر اس میں جو دقت پیش آ رہی تھی وہ یہ تھی کہ لے پالک بیٹے کی مطلقہ سے شادی انہیں عامۃ الناس میں جو ابھی تک مذکورہ بالا جاہلانہ رسم کو اپنائے ہوئے تھے غیر اخلاقی فعل گردانا جائے گا۔ ادائیگی فرض کا مضبوط احساس ان اعتراضات پر غالب آ گیا اور سیّدہ زینبؓ بنت جحش پیغمبر خدا ﷺ کی زوجیت میں آ گئیں''۔

سیّدہ میمونہؓ

سیّدہ میمونہؓ حارث کی بیٹی تھیں جو ساسا کے بنو ہوازن قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی سالی تھیں ان کے پہلے خاوند خویطب بن عبدالعزیٰ نے انہیں طلاق دیدی تو انہوں نے ابو رہم سے شادی کر لی جو جلد ہی وفات پا گئے۔ وہ مکہ میں بیوگی کی حالت میں تھیں تب پیغمبر خدا ﷺ نے ان سے شادی کا پیغام بھجوایا۔ حضور ﷺ سے شادی کے وقت ان کی عمر 51 سال تھی۔

خالد بن ولید سیّدہ میمونہؓ کے بھانجے تھے اور وہ انہیں بہت زیادہ چاہتی تھیں۔ جب سیّدہ میمونہؓ کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ رخصتی ہوگئی تو اس عظیم جنگجو مجاہد نے اپنے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا:

''نبی ﷺ نہ تو نجومی ہیں اور نہ ہی جادوگر۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم سب ان کے پیروکار بن جاؤ''۔

ان حاضرین میں سب سے پہلے انہوں نے خود اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ کہا جاتا ہے اس اعلان کے بعد عکرمہ بن ابوجہل اور خالد بن ولیدؓ کے مابین زبانی تلخ

کلامی ہوگئی۔ اور عکرمہ نے کہا کہ جنگ بدر میں جناب محمد ﷺ اسکے چچا کے قاتل ہیں اور وہ اول و آخر انتقام لینے کا پابند ہے۔ لیکن اور کسی نے خالد بن ولید سے تعرض نہ کیا جو کہ اس عہد کے عظیم جنگجو تھے۔ فوری طور پر عثمان بن طلحہؓ کے ہمراہ حضور نبی کریم ﷺ کی قدم بوسی کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہوگئے اور بعدازاں سیف اللہ کے لقب سے نوازے گئے"۔

سیّدہ میمونہؓ غلاموں کو آزاد کرانے میں حد درجہ خوشی محسوس کرتی تھیں۔ اور سیدنا رسول اللہ ﷺ سے شادی کے بعد اس دلی خواہش کو پورا کرنے کا انہیں نادر موقعہ ہاتھ آیا۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے بوقت ضرورت دوسروں سے قرض تک لے لیتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرضے کی رقم خاصی بڑی ہوگئی تو کسی نے آپ سے پوچھا اس قرض کی واپسی کی کیا سبیل ہوگی؟ تو آپ نے جواباً فرمایا کہ پیغمبر خدا ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر آپ فی الواقعی ادائیگی قرض کی خواہش رکھتے ہوں تو اللہ رب العزت ادائیگی قرض کے لیے خود وسائل پیدا کر دیتے ہیں۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ عقیدے کا دارومدار نیتوں پر منحصر ہوتا ہے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کو برکات اسلام اور اسلامی عبادات کی مذہبی رسوم اور عقائد اسلام کی وضاحت کے لیے لکھتی رہتی تھیں۔ وہ خوف خدا رکھنے والی خاتون تھیں اور انکی پارسائی اور عجز و انکساری ضرب المثل تھی۔ پیغمبر خدا ﷺ انہیں نیکی کا نمونہ قرار دیتے تھے۔

آپ کا مزار اقدس مکہ کے شمال میں قصبہ سرف (موجودہ نواریہ) میں واقع ہے۔

سیّدہ میمونہؓ سے شادی کی دوہری وجوہات ہیں۔ اولاً انکی بلندی مقام، ارتفاع قسمت اور ان کے خاندان کی دلجوئی بالخصوص آنحضرت ﷺ کے چچا عباسؓ کی جو کہ مکہ میں رنڈوا زندگی گزار رہے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ خالد بن ولید جیسے عظیم جنگجو جو جنگ احد میں مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچا چکے تھے کو انکی محبوب خالہ سیّدہ میمونہؓ

کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام قبول کرنے کی رغبت دینا تھی۔ اس شادی سے جناب پیغمبر ﷺ اور خالد بن ولیدؓ اور اس کے ساتھیوں کے درمیان تعلقات استوار ہوئے اور ان کے مشرف بہ اسلام ہونے سے مومنین کی صفوں میں اضافہ ہوا۔

واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) نبی آخر الزمان ﷺ کی سیّدہ میمونہؓ سے شادی کے متعلق مندرجہ ذیل رائے رکھتا ہے:

''بلاشبہ پیغمبر ﷺ کی یہ ایک اور شادی حکمت عملی کے تحت تھی۔ سیّدہ میمونہ 51 برس کی ایک بیوہ خاتون تھیں مگر اس طور دو اہم مقاصد حاصل ہوئے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ خالد بن ولید، جو بیوہ خاتون کے بھانجے تھے احد کی جنگ میں پیغمبر خدا ﷺ کے مشن کو تباہی کے دھانے تک لے گئے تھے اس رشتہ کے بعد وہ اسلام کے عظیم فاتح ہیرو بن گئے اور اپنی شجاعت اور دلیری کی بنیاد پر سیف اللہ کا لقب پایا۔ خالدؓ کا ایک دوست عمرو بن العاص بھی ملحدانہ عقائد کو چھوڑ کر مشرف بہ اسلام ہوا یہ وہ شخص تھا جو جناب محمد ﷺ کے دعوے پیغمبری کرنے پر اپنی ہجو گوئی اور شاعری سے انکی دلآزاری کرنے میں پیش پیش تھا۔ اور قریش کا سفیر بن کر حبشہ کے بادشاہ کے پاس پناہ گزین ہونے والے مسلمانوں کی واپسی کے لیے گیا تھا۔ مگر اب یہ وہی شخص تھا کہ جسکی منزل یکا یک بدل گئی۔ عقائد اسلام کا شدید مخالف اب تلوار ہاتھ میں لے کر کئی دوسرے ممالک میں فاتح اسلام ہو کر ناموری سے سرفراز ہوا''۔

فرانٹ بہل (Fraunt Buhl)(89) نے ''شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' (Shorter Encyclopedia of Islam) میں نبی ﷺ کے حوالے سے ایک مضمون میں لکھا ہے:

''مارچ 629ء کے صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق جناب محمد ﷺ نے عمرہ ادا کیا۔ اپنے ایک درپردہ حلیف جناب عباسؓ کی سالی سے ان کی شادی زبردست

اہمیت کی حامل تھی۔ کیونکہ اس سے مکہ کی دو اہم شخصیتیں یعنی عمرو بن العاص اور ایک فوجی ماہر خالد بن ولیدؓ آنحضرت ﷺ کے عروج کی معترف ہو کر ان کے ساتھ شامل ہوگئیں''۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) اپنی تصنیف ''لائف آف محمد ﷺ'' (Life of Muhammad) میں رقمطراز ہے۔

''ام المومنین سیّدہ میمونہؓ کی ایک بہن خالد بن ولید کی والدہ تھیں۔ اپنی خالہ کی شادی کے بعد وہ مدینہ منورہ آئے اور دامن اسلام سے وابستگی اختیار کر لی اور اپنی خدمات اسلام کے لیے پیش کر دیں''۔

واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) لکھتا ہے۔

''بلاشبہ پیغمبر ﷺ کی حکمت عملی کے تحت یہ ایک اور شادی تھی گرچہ سیّدہ میمونہ 51 برس کی بیوہ تھیں لیکن اس رشتے سے دوز بردست مقاصد کا حصول ممکن ہوا اور دو کافر اپنے ملحدانہ عقائد کو ترک کر کے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ جن میں ایک تو بیوہ خاتون کے بھانجے خالد بن ولیدؓ تھے جو کہ ایک بہادر جرنیل تھے۔ اور دوسرے عمرو بن العاص جو خالد بن ولید کے دوست تھے''۔

مارک سائیکس (Mark Sykes)(90) اپنی تصنیف ''کیلفس لاسٹ ہیرتج'' (Caliph,s Last heritage) میں لکھتا ہے۔

''نبی ﷺ حصول مقصد کے لیے تگ و دو کر رہے تھے۔ پچاس سالہ سیّدہ میمونہؓ کا اثر و رسوخ نبی ﷺ کے لیے بہت مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ ڈپلومیسی کارگر ہونے سے اہل مکہ سرنگوں ہو گئے''۔

''ہسٹوریز ہسٹری آف ورلڈ'' (Historian's, History of World) میں اس ضمن میں یوں اظہار کیا گیا ہے:۔

"اس موقع پر جناب محمد ﷺ نے 51 سالہ بیوہ سیّدہ میمونہؓ سے شادی کی یہ انکی پہلی شادی کی طرح آپ کی ذہانت اور حکمت عملی کا واضح نمونہ تھی۔ اس شادی سے سیّدہ میمونہؓ کا ایک قریبی رشتہ دار خالد بن ولید اور اس کے قریبی دوست عمرو بن العاص جو کہ دو ممتاز جرنیل تھے اسلام کے جھنڈے تلے آ گئے۔ یہ امر بذات خود دیگر جنگی فتوحات کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کا حامل تھا"۔

جی ایم ڈریکارٹ (G.M. Draycott)(91) اس شادی کے دور رس اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہے:۔

"یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی آخری شادی تھی، اس طرح آنجناب ﷺ نے اپنے کئی مخالفین کو زیر کرنے کی بے بدل سیاسی دور اندیشی اختیار کی" (1)

---

1. سیدہ میمونہؓ کی ایک بہن ام الفضل لبابہ الکبریٰ حضرت عباسؓ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ بحوالہ "زوجات النبی الطاہرات" صفحہ 82 از ان شیخ محمد محمود الصواف (مؤلف)

باب ششم

فقر و غنا سے عبارت زندگی

نبی ﷺ نے دنیاوی ساز و سامان کبھی ذخیرہ نہ کیا۔ وہ اکثر فرماتے تھے۔
''اے اللہ دنیوی زندگی حقیقی پرمسرت زندگی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو اخروی حیات ہے۔
میرا دنیوی زندگی سے کیا تعلق ہے'' ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا'' میری مثال اس
مسافر کی سی ہے جو ایک درخت کے نیچے کچھ دیر ستا کر اپنی راہ لیتا ہے''۔

نبی ﷺ کے امتیازی اوصاف میں سے ایک صفت فیاضی اور سخاوت کی تھی۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے تمام لوگوں میں آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے
اور ماہ رمضان میں تو آپ کی سخاوت اور زیادہ بڑھ جاتی۔

آپ ﷺ نے کبھی کسی سوالی کو خالی نہ لوٹایا۔ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ اگر
آپ ﷺ کے گھر میں کوئی رقم وغیرہ موجود ہوتی تو اس وقت تک چین اور صبر نہ آتا
جب تک وہ رقم خیرات نہ کر لیتے۔ امیر فدک نے ایک بار غلے سے لدے ہوئے چار
اونٹ آپ کی خدمت میں بھیجے تو آپ ﷺ کے ملازم بلال حبشیؓ نے انہیں بازار
میں فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض اتار دیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا کیا اس میں
سے کچھ رقم باقی بچی ہے تو اس نے کہا جی ہاں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا" جب تک
یہ رقم خیرات نہیں کر دی جاتی میں گھر نہیں جاؤں گا"۔ بلالؓ نے عرض کیا کہ کوئی فقیر یا
محتاج نہیں ملا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے رات مسجد میں گزاری۔ دوسرے روز جناب
بلالؓ نے انہیں ﷺ بتایا کہ بقیہ رقم خیرات میں تقسیم کر دی گئی ہے تو آپ ﷺ
نے اللہ کا شکر ادا کیا اور گھر تشریف لے گئے۔

سیّدہ اُم المومنین اُم سلمہؓ نے فرمایا کہ۔

''ایک مرتبہ نبی ﷺ گھر آئے تو آپ ﷺ کا چہرہ اقدس متفکر اور زرد تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے''؟ جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا'' کل سات طلائی دینار آئے تھے جو تقسیم نہ ہوئے اور آج شام ہوگئی ہے وہ دینار میرے بستر پر پڑے ہیں''۔(57)

پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا ایک اور واقعہ کہ وہ کس طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بیتاب رہتے تھے۔ درج ذیل ہے۔

اس جہانِ فانی سے پردہ فرمانے سے قبل جب آپ ﷺ بیمار ہوئے تو وہ سیّدہ عائشہؓ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ نے سیّدہ سے پوچھا۔'' عائشہ! تم نے ان سونے کے ٹکڑوں کا کیا کیا''؟ سیّدہ عائشہؓ نے جواب دیا'' وہ میرے پاس ہیں''۔ آپ ﷺ نے حکم دیا انہیں صرف کرڈالو۔ اس کے بعد آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی۔ ہوش میں آنے پر آپ ﷺ نے معلوم کیا کہ عائشہؓ کیا تم نے سونے کے ان ٹکڑوں کو خرچ کر دیا ہے تو ام المومنینؓ نے جواب دیا ابھی نہیں۔ انہوں ﷺ نے سونے کے مذکورہ ٹکڑے منگوائے اور انہیں اپنی ہتھیلی پر رکھ کر گنا تو وہ چھ عدد سونے کے دینار تھے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا۔'' محمد ﷺ کا کیا ہوتا اگر وہ سونے کے ان چھ ٹکڑوں کے ساتھ اللہ کے حضور پہنچ جاتا''۔ آپ ﷺ نے ان تمام دیناروں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور اسی روز اس جہان فانی سے پردہ فرما گئے۔

یہاں پر معتبر مسلمان فقہا کی کچھ تحریریں اور اہم مغربی مصنفین کی آراء جن سے پیغمبر ﷺ کے استغنا پر روشنی پڑتی ہے بیان کرتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف کے باب'' کتاب الاطعمہ'' میں ایک حدیث قطعیہ سے مروی ہے جو انہوں نے سیّدہ عائشہؓ سے سنی، یوں بیان کی ہے:

''مدینہ منورہ میں جناب محمد ﷺ کے کنبے میں مسلسل تین راتوں تک کھانے کو

روٹی نہ تھی اور اسی حالت میں آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے'' (7)

امام ابو عیسیٰ ترمذی اپنی تالیف ''الجامع الترمذی'' کے باب بہ عنوان ''پیغمبر ﷺ کا طرز حیات'' میں مندرجہ ذیل حدیث درج کرتے ہیں۔

''عبداللہ بن معاویہ الجمحی ، حضور نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں'' پیغمبر ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والے مسلسل کئی راتیں بھوکے گزارتے تھے۔ ان کے پاس شام کا کھانا نہ ہوتا تھا اور وہ اکثر جو کی روٹی کھاتے تھے''۔

''طبقاتِ سعد'' میں ابن سعد نے کئی صفحات پر مشتمل ایک پورا باب جناب پیغمبر ﷺ کی پرصعوبت زندگی پر لکھا ہے۔

عبداللہ بن موسیٰ۔ سیّدہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''آنخضرت ﷺ کے دنیا سے رحلت فرمانے سے مسلسل تین دن قبل صبح شام جو کی روٹی بھی موجود نہ تھی تا آنکہ وہ ﷺ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے''۔

ہاشم بن قاسم جناب ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:

''مہینوں پر مہینے گزر جاتے مگر پیغمبر ﷺ کے گھر روٹی پکانے یا کھانا تیار کرنے کے لیے چولہا نہ جلتا تھا''۔

تب انہوں نے پوچھا وہ زندہ کیسے رہتے تھے۔ سیّدہ عائشہؓ نے جواب دیا:

''دو سیاہ چیزوں پر، کھجور اور پانی''

انہوں نے مزید فرمایا کہ:

''ایک انصاری آپ ﷺ کا پڑوسی تھا جس کے پاس دودھ والی بکریاں تھیں وہ ان کا دودھ پیغمبر خدا ﷺ کے گھر ہدیتاً بھیجتا تھا''

عروہؓ بن زبیر سیّدہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم ہم نے چالیس ایسی راتیں گزاریں کہ کھانا پکانے کے لیے چولہا جلانا تو کجا ہمارے گھر روشنی کے لیے چراغ بھی نہ تھا"۔ عُروہ بن زبیر فرماتے ہیں تب میں نے پوچھا "اے ام المومنینؓ پھر آپ زندہ کیسے رہے"؟ ام المومنینؓ نے جواب دیا

"دو سیاہ چیزیں۔ کھجوریں اور پانی"

ہاشم بن قاسمؒ، سیّدہ اسماءؓ بنت یزید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا

"جس دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ بکتر ایک یہودی کے پاس تھوڑے سے جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی"۔

حضرت عفان بن مسلمؒ، جناب ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے نہ کوئی دینار و درہم چھوڑا نہ ہی کوئی غلام یا کنیز چھوڑی"۔

اب ہم مغربی مصنفین کی طرف آتے ہیں۔

مشہور مورخ ایڈورڈ گبن ٹرافی کلی (Edward Gibbon Traphically) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادہ اور نمود و نمائش سے پاک زندگی کے بارے میں لکھتا ہے۔

"پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاہانہ شان و شوکت سے نفرت کرتے تھے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں کے چھوٹے چھوٹے کام بخوشی انجام دیتے، وہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگ جلا دیتے، فرش پر جھاڑو پھیر دیتے۔ بھیڑوں کا دودھ دوہ دیتے اپنے ہاتھوں سے اپنے نعلین مبارک کو گانٹھ لیتے اور اپنے اونی کپڑوں کی بھی خود مرمت کرتے۔ راہبانہ زندگی سے گریز کرنے پر انہوں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی تفاخر کا مظاہرہ نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عرب سپاہی کی

طرح سادہ زندگی گزاری۔
مذہبی تقاریب کے موقع پر انہوں ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی پر جوش دیہاتی انداز میں مہمان نوازی فرمائی۔ لیکن اپنی گھریلو زندگی میں کئی کئی ہفتے ان ﷺ کا چولہا ٹھنڈا رہتا۔ شراب نوشی پر پابندی کی انہوں نے مثالی طور پر توثیق فرمائی۔ جو کی تھوڑی سی روٹی ان کی بھوک مٹانے کے لیے کافی تھی۔ انہیں دودھ اور شہد سے رغبت تھی مگر آپ ﷺ کی عام غذا کھجوریں اور پانی تھا''۔

ایک جرمن سکالر گستاویل (Gustav weil) اپنی تصنیف ''ہسٹری آف اسلامک پیپلز'' (History of Islamic people) میں لکھتا ہے۔

''محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کے لیے ایک روشن مثال قائم کی۔ وہ ایک مستحکم اور بے داغ کردار کے حامل تھے۔ ان کا گھر، ان کا لباس، انکی خوراک، سب سادگی سے متصف تھے''۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) اپنی تصنیف ''لائف آف محمد ﷺ'' (Life of Mahomet) میں تسلیم کرتا ہے۔

''خاندانی سادگی ان کی ﷺ ذات میں رچی بسی تھی۔ وہ اپنا ﷺ سارا کام خود کرتے تھے۔ انکار کرنے کو ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔ اگر کسی سائل کی حاجت روائی ممکن نہ ہوتی تو آپ ﷺ انکار کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کر لیتے۔ معمولی سے معمولی آدمی بھی گھر آنے کی دعوت دیتا تو آپ ﷺ کبھی انکار نہ کرتے اور پیش کردہ چھوٹے سے چھوٹا تحفہ قبول کرنے سے بھی پس و پیش نہ کرتے۔ عسرت کے ایام میں بھی آپ ﷺ جب کھانا کھاتے تو دوسروں کو ضرور شامل کر لیتے''۔

فری مین (Freeman) (91) پیغمبر ﷺ کی سادہ اور منکسر المزاج زندگی

کے بارے میں ان سنہری الفاظ میں رطب اللسان ہے:

''انہوں نے بیت اللہ کو کفار کے غلبہ سے پاک کرنے کے بعد اسکے قرب و جوار میں اپنا کوئی محل تعمیر نہ کیا جو حرم کعبہ سے مشرف عروس البلاد تھا۔ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ اپنے ان رفقاء کے لیے جو مصیبت کی گھڑی میں آپ کیساتھ کھڑے رہے چھوڑ دیا۔ اور اپنی سادہ رہائش گاہ کی طرف ان کے ہمراہ واپس چلے گئے۔ آپ ﷺ اس وقت روحانی اور دنیوی حکمران بن چکے تھے''۔

''انسائیکلو پیڈیا آف امیریکانا''(*Encyclopeia of Americana*) میں نبی ﷺ پر لکھے گئے ایک آرٹیکل کا مصنف لکھتا ہے:

''ان کی ﷺ شخصیت مضبوط اور پر اثر تھی۔ لیکن ان کی ﷺ گھریلو زندگی انکی خوراک کی طرح سادہ تھی۔ وہ ﷺ مہربان اور فیاض تھے۔ ہمدرد باپ اور وفادار دوست تھے۔ اپنی طاقت کے عروج پر بھی وہ ﷺ ایک بے آسائش حجرے میں رہتے تھے۔ معمولی چٹائی پر سوتے اور ناریل کے ریشوں سے بھرا چمڑے کا تکیہ رکھتے تھے''۔

چارلس اسٹوارٹ ملز(*Charles Stuart Mills*)(92) آپ ﷺ کی انسان دوستی اور غریب پروری کے بارے میں کہتا ہے۔

''شفیق، کریم النفس اور سخی دل کے مالک، پیغمبر ﷺ نے اپنی سماجی اور گھریلو ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اللہ کی عطا کی ہوئی نبوت پر کبھی آنچ نہ آنے دی۔ اللہ نے انہیں سادہ مزاجی سے نوازا۔ عظیم لوگوں کی طرح گھر کے معمولی کاموں کو سرانجام دینے میں ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہ تھی سادگی ان کا خاصہ تھی۔ اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے اپنے کھردرے اونی کپڑے خود مرمت کرتے، اپنی بھیڑوں کا دودھ خود دوہتے تھے۔ گھر کے صحن میں جھاڑو خود پھیرتے اور چولھا بھی خود جلاتے تھے۔ عام طور پر آپ ﷺ کھجور اور پانی کو بطور خوراک استعمال کرتے۔ دودھ اور شہد ان کے لیے

پر تکلف غذا تھی۔ سفر کے دوران جو چند لقمے کھانا میسر آتا اپنے غلاموں کے ساتھ تقسیم کر کے کھاتے۔ صلہ رحمی اور سخاوت کے بارے میں ان کی تلقین کی مثالی صورت ان کے وصال کے وقت سامنے آئی۔ جب انہوں ﷺ نے ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا''۔

ولیم ڈیورانٹ (William Durant) جناب نبی ﷺ کی سادہ زندگی اور ان کے کردار کی عظمت وشوکت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

''ان کی سادہ غذا کھجوریں اور پانی تھا۔ کبھی کبھار دودھ اور شہد پر مشتمل پُر تکلف کھانا میسر ہوتا تھا۔ ان کے دوست اور پیروکار کہتے ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں کے لیے خوش اخلاق تھے۔ غریبوں پر شفیق تھے۔ آپ ﷺ پروقار بہادر انسان تھے۔ اپنے پیروکاروں کے لیے ماسوائے اپنے دشمنوں کے ہر ایک کے لیے۔ وہ بیماروں کی عیادت فرماتے۔ کبھی بھی اپنی منزلت اور اختیارات کا اظہار نہ کرتے اور سر راہ جنازے ملتا تو اس میں شرکت فرماتے تھے۔ تعظیم کے انداز کو ناپسند فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ غلام کی دعوت کو بھی رد نہ کرتے۔ جس کام کو خود سرانجام دے سکتے تھے اسے کسی غلام کے سپرد نہ کرتے۔ باوجو یکہ مال غنیمت اور زر ودولت انکے پاس آتا مگر اس میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے کم اور اپنی ذات پر بہت ہی کم خرچ کرتے زیادہ حصہ خیرات میں تقسیم فرما دیتے''۔

سرجان گلب (Sir John Glubb) پیغمبر خدا ﷺ کی سادہ زندگی کے بارے میں حسب ذیل رقمطراز ہے۔

''نبی ﷺ نے کبھی دولت اکٹھی نہیں کی۔ حتیٰ کہ عام سہولت سے بھی استفادہ نہ کرتے تھے۔ آپ کی خوراک اور لباس از حد سادہ اور گھریلو سامان بھی مختصر تھا۔ فراوانی کے ایام میں بھی انہوں نے ذاتی ضرورتوں کو انتہائی محدود رکھا''۔

برٹرام تھامس (Bertram Thomas)(93) نبی ﷺ کے سادہ معیار

زندگی اور شاندار خوبیوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے:

''ان ﷺ میں غرور اور تکبر نام کو نہ تھا۔ ریا کاری اور بناوٹ بالکل نہ تھی۔ آپ ﷺ چرب زبان نہ تھے اور فضول بات نہ کرتے تھے۔ وہ ﷺ قول کے پکے دیانت دار شخص تھے۔ صورت حال یہ تھی کہ بوقت وفات بھی آپ ﷺ کی کئی ملکیتی اشیاء ایک یہودی کے پاس گروی تھیں اور ان میں وہ ڈھال بھی شامل تھی جس کی رقم سے آپ ﷺ نے تین وقت کی خوردنی اشیاء خریدی تھیں۔ جناب محمد ﷺ کو شان وشوکت سے نفرت تھی اور وہ انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ انتہائی عجز و انکسار آپ کی زندگی کا خاصہ تھا آپ ﷺ حقیر سے حقیر کام بھی اپنے ہاتھوں سے کرتے، چولہا خود جلاتے، فرش پر جھاڑو پھیرتے۔ بھیڑوں کا دودھ خود نکالتے۔ اپنے کپڑوں پر پیوند خود لگاتے اور اپنے جوتوں کی خود مرمت کرتے آپ کی ذات میں سادگی بدرجہ اتم موجود تھی۔

جے۔ جے۔ سانڈر (J.J. Saunders) لکھتا ہے۔

''آپ کی عادات اتنی سادہ تھیں کہ آخری ایام میں جب مدینہ منورہ میں بیٹھ کر پورے عرب کی حکمرانی کر رہے تھے تب بھی اپنے کپڑے اور اپنے جوتے بھی خود مرمت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا زہد و اتقاء خلوص پر مبنی تھا۔ جس میں کسی قسم کا دکھاوا نہ تھا''۔

فلپ۔ کے۔ ہٹی (Philp K Hitti) اپنی کتاب ''ہسٹری آف عرب'' (History of Arab) میں لکھتا ہے۔

''نام وری کی بلندیوں پر سرفراز ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ نے اپنی ابتدائی غیر معروف زندگی کے اطوار کو اپنائے رکھا اور سادہ اور منکسر المزاجی کے مظہر بنے رہے۔ مٹی کے بنے ہوئے معمولی گھر میں رہائش پذیر رہے۔ پرانی وضع قطع کے ایسے

گھر عرب اور شام میں آجکل بھی نظر آتے ہیں۔ انہیں اکثر خود اپنے کپڑوں کو مرمت کرتے دیکھا گیا لوگ ہر وقت آپ ﷺ سے شرف باریابی حاصل کرتے تھے۔ جو تھوڑا سا اثاثہ انہوں نے پیچھے چھوڑا اسے بھی آپ ﷺ نے ریاست کی ملکیت گردانا''۔

ایک متعصب عیسائی پادری ڈبلیو۔ ولسن کیش (W. Wilson Cash) (94) بھی تسلیم کرتا ہے۔

''آپ کا طرز زندگی قدیم اور سادہ تھا۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنی وضع قطع مشرقی حکمرانوں جیسی نہیں بنائی۔ آپ ﷺ کے پیروکاروں کو آپ ﷺ تک بآسانی رسائی حاصل تھی''۔

آر۔ وی۔ سی۔ بوڈلے (R.V.C. Bodley) (95) بیان کرتا ہے:

''ایک امریکن یا انگریز یا جاوا کے مسلمان کے لیے محمد ﷺ کی زندگی قدامت پسندی اور رہبانیت کا مظہر تھی۔ بلکہ اسی طرح جیسے مسیح علیہ السلام کی حیات ایک عام عیسائی کے لیے تھی''۔

اوپر دی گئی تشریحات سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ منٹگمری واٹ (Montgomry Watt) کے اس موقف میں کوئی وزن نہیں کہ ''جوں جوں محمد ﷺ کی طاقت بڑھتی گئی اسی طور ان کے مال و دولت میں اضافہ ہوتا گیا''۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک تارک الدنیا کی طرح زندگی بسر کی۔ قیام مدینہ کے دوران کئی کئی ایام آپ ﷺ پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔

اسلام کے عروج و بلندی کو گھٹا کر بیان کرنے کے علاوہ مغربی بدگویان ارادتاً جناب محمد ﷺ کی عظمت پر تہمت لگاتے تھے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کی عوامی زندگی پر کوئی مخالفانہ اعتراض یا رائے زنی نہ ہو سکتی تھی اس لیے محض غم و غصہ اور تعصب

سے بدنام کرنے کی غرض سے انہیں جنسیت پرست سے ملقب کرتے رہے۔

فتح خیبر کے بعد ہی جناب نبی ﷺ نے ازواج مطہرات کے لیے سالانہ بنیادوں پر کھجوریں اور جو کی بہم رسانی کا اہتمام فرمایا۔ یہ تو پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ ازواج مطہرات سال ختم ہونے سے پہلے ہی اپنی حصہ کی کھجوروں وغیرہ کو ضرورت مندوں میں تقسیم کر کے ختم کر لیتی تھیں۔ انہیں سال کا بقیہ حصہ بڑی مشکل سے گزارنا پڑتا اور اس طرح کبھی کبھار فاقہ کشی کی نوبت آ جاتی۔

فتوحات کے بعد بہت سا مال غنیمت اور عشر خزانہ ریاست میں جمع ہونے لگا جسے نبی ﷺ مسلمانوں میں بالعموم اور غربا اور حاجت مندوں میں بالخصوص تقسیم فرما دیتے۔ اپنے یا اپنے خاندان کے استعمال کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھتے۔

سیّدہ عائشہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ پیغمبر ﷺ کے وصال کے بعد ہی انہیں پیٹ بھر کر کھانا ملا۔ انکی زندگی میں چونکہ وہ خود بہت کم کھاتے تھے اسلئے کوئی بھی پیٹ بھر کر نہ کھاتا تھا۔ اُمہات المومنین کے مقابلے میں دیگر خواتین زیادہ خوشحال تھیں۔ جب اُمہات المومنین نے اپنے ارگرد کے لوگوں کو آرام و آسائش کی زندگی گزارتے دیکھا تو ان کو بھی ان بہتر ضروریات زندگی گزارنے کی خواہش ہوئی۔ ان کو زندگی بسر کرنے لیے اشیاءِ خورد و نوش کی انتہائی کم مقدار مہیا تھی۔ جس سے سادہ زندگی کی ضروریات بھی پوری نہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ کو اشیاءِ خورد و نوش اور دیگر گھریلو ضروریات زندگی کی مقدار بڑھانے کے لیے درخواست کی۔ بلکہ یوں کہیے کہ انہوں نے نبی ﷺ پر ان آسائشوں کے مہیا کرنے کا اصرار کیا۔ اُمہات المومنین کا یہ مطالبہ اور اصرار پیغمبر ﷺ کو پسند نہ آیا۔ کیونکہ وہ ان اُمہات المومنین کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لیے وسائل نہ رکھتے تھے۔ اُمہات المومنین کے مصر رہنے پر آپ ﷺ کی ناراضگی بڑھ گئی اور آپ ﷺ نے قسم کھائی کہ وہ ایک مہینے تک

اپنی ازواج سے نہ ملیں گے چنانچہ آپ مسجد کے قریب ایک بالا خانے میں فروکش ہو گئے۔ یہ معاملہ کچھ دن تک یوں ہی چلتا رہا حتیٰ کہ یہ آیات تخییر (Verses of Choice) نازل ہوئیں:۔

"اے نبی ﷺ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور مناسب طور پر فارغ کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکیوں کے عوض بڑا اجر تیار کر رکھا ہے (سورت الاحزاب آیات نمبر 28-29)

چنانچہ نبی ﷺ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں سب سے پہلے تشریف لے گئے اور یہ آیات قرآنی انہیں سنائیں اور کہا کہ مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں مطلع کر دوں کہ یا تم پیغمبر ﷺ کا انتخاب کر کے آخرت کی زندگی لے لو یا پھر اس دنیا کی چمک دمک اور آرام و آسائش لے لو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے یہ بھی کہا کہ جواب میں جلد بازی نہ کرو بلکہ اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ سیّدہ عائشہؓ نے جواباً کہا میں اپنی ذات کے لیے اپنے والدین سے کوئی مشورہ نہ کروں گی۔ میں پیغمبر ﷺ اور آخرت کی زندگی کو منتخب کرتی ہوں۔

پیغمبر خدا ﷺ کی دوسری بیویوں نے جب ان آیات کو سنا تو انہوں نے بھی سیّدہ عائشہؓ کی پیروی کی اور پیغمبر ﷺ کے ساتھ رہنے اور ان کی مرضی کے مطابق ارفع زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔

مارگولیتھ (Margoliouth) نبی اکرم ﷺ کا ایک کڑا ناقد ہے اس نے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے اس فیصلہ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"انکے اندرون خانہ واقعات میں ایک واقعہ قدرے مختلف نوعیت کا ہے۔ جناب ابو بکرؓ اور جناب عمر بن خطابؓ نے نبی اکرم ﷺ کے در اقدس پر دستک

دی اور پہلی دستک پر انہیں اجازت نہ ملی۔ مگر جب وہ اندر داخل ہوئے تو جناب نبی ﷺ کو امہات المومنین کے درمیان غمگین اور خاموش بیٹھا پایا۔ وہ گھریلو ضروریات کی اشیاء مہیا کرنے کے لیے عرض کرتی رہیں مگر پیغمبر ﷺ ایسا نہ کر سکے۔ عمر بن خطابؓ نے رسول ﷺ اللہ کو خوش کرنے کی امید میں انہیں بتایا کہ کس طرح ان کی زوجہ محترمہ نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا اور انہوں نے ان کی گردن پر زوردار مکہ جڑ دیا اس پر جناب محمد ﷺ متبسم ہوئے اور کہا ان کی ازواج بھی بالکل ایسا ہی اصرار یا مطالبہ کر رہی ہیں۔ دونوں دوستوں نے جناب عمرؓ کے مصلحت آمیز طریقے کے مطابق اپنی اپنی بیٹیوں سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر پیغمبر ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی بلکہ انہوں نے ازواج مطہرات کو پیش کش کی کہ اگر وہ اس دنیا کو ان کی رفاقت پر ترجیح دیتی ہیں تو انہیں چھوڑ دینے کی اجازت ہے۔ مگر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ پیشکش قبول نہ کی اور دوسری ازواج مطہرات نے بھی انہی کی پیروی کی''۔

یہاں یہ کہنا بالکل برمحل ہوگا کہ نبی ﷺ وصال کے بعد جب مسلم فتوحات کا دائرہ بڑھتا گیا اور مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہوتی گئی تو امہات المومنین کے عزت ووقار کی خاطر انہیں وظائف اور رقومات تحفتاً مختلف حکمرانوں کی طرف سے پیش ہوتی رہیں مگر پھر بھی ازواج النبی زاہدانہ اور سادہ زندگی بسر کرتی رہیں۔ وظائف اور تحائف ضرورت مندوں اور غریبوں پر خیرات میں چلے جاتے اور وہ اپنے پاس اپنے ذاتی استعمال کے لیے کچھ نہ رکھتیں۔ ہم یہاں پر سیّدہ عائشہؓ کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ کس طرح اللہ کی راہ میں خیرات کرتی تھیں۔

''سیرۃ الاعلام النبلاء'' میں لکھا ہے کہ: ''ایک مرتبہ جناب معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم سیّدہ عائشہؓ کو بھجوائے جو انہوں نے فوراً دیگر ازواجِ مطہرات نبی میں تقسیم کر دیئے۔ وہ تمام لوگوں سے بہت زیادہ سخی تھیں''۔

"طبقات ابن سعد" میں ایک اور واقعہ یوں آیا ہے کہ ابن زبیرؓ نے سیدہ عائشہؓ کو ایک لاکھ درہم دو تھیلوں میں بھیجے۔ انہوں نے ایک بڑا تھال منگوا بھیجا جس میں یہ سارے درہم ڈال دیئے اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیئے حتیٰ کہ سب کے سب درہم خیرات میں تقسیم ہو گئے۔ اس دن ان کا روزہ تھا۔ شام کو افطاری کے وقت انہوں نے خادمہ سے کہا کہ کھانے کو کچھ لائے تا کہ روزہ افطار کیا جائے۔ خادمہ اُم زارا نے جواب دیا، اے ام المومنین کیا یہ ممکن نہ تھا کہ آپ ایک درہم خرچ کر کے گوشت منگوا لیتیں تا کہ اس سے روزہ افطار ہو جاتا۔ سیّدہ عائشہؓ نے جواب دیا

"مجھے الزام مت دو۔ اگر تم نے مجھے یاد کرایا ہوتا تو میں ایسا کر لیتی"۔

ان کی فیاضی طبع کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے 70 کے قریب غلام آزاد کیے۔

"سیر الاعلام النبلاء" میں لکھا ہے کہ سیّدہ عائشہؓ اپنے دور کے تمام لوگوں سے زیادہ فراخ دل تھیں اور ان کی سخاوت اور فیاضی کی مثالیں موجود ہیں۔

مغربی ناقدین کے اٹھائے گئے اعتراضات کی طرف واپس چلتے ہیں جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ازدواجی زندگی پر اٹھائے ہیں ان کا کہنا تھا کہ جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ طاقتور ہوئے اور جونہی وہ طاقتور اور بااختیار ہوتے گئے انکی جنسی حسیات میں اضافہ ہوتا گیا اور انہوں نے اپنی ازواج کی تعداد میں اضافہ کر لیا۔ ان لوگوں کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ درحقیقت ان جملہ ازواج مطہرات نے جھونپڑوں یا حجروں میں زندگی بسر کی۔ (1)

آنحضرت ﷺ زہد و تقویٰ کی زندگی گزارتے تھے۔ اور انتہائی وفاداری سے

1۔ غزوات کی مختصر تفصیل (صفحات 228 تا 235 کتاب ہذا) کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ سرور عالمین ﷺ نے ان غزوات میں کم و بیش سات سو ساٹھ ایام یعنی (سوا دو سال) صرف کیے جس دوران معمول کی عائلی زندگی کا تصور بھی محال ہے۔ (مؤلف)

ازواج مطہرات ان کے نقش قدم پر چلتی تھیں۔ انہوں نے اپنے رہن سہن کو آنحضور ﷺ کے طرز زندگی کے مطابق ڈھال لیا۔ حتیٰ کہ انہیں اکثر کھجوروں اور پانی پر گزارہ کرنا پڑتا تھا۔ اور یہ کبھی کبھار ہوتا کہ انہیں جو کی روٹی مہیا ہو جاتی۔ کیا ایک جنسیت پرست شخص کا یہی طرز زندگی ہوتا ہے؟

جناب پیغمبر ﷺ مدینہ کی شہری ریاست کے سربراہ تھے اور وہ بہ آسانی اپنی بیویوں کے لیے بہترین رہائشی سہولتیں مہیا کرنے کی ہدایت دے سکتے تھے مگر صورت حال یہ تھی کہ ایک مرتبہ جب ازواج مطہرات نے بہتر رہائشی سہولتوں اور خورد ونوش کا بہ اصرار مطالبہ کیا تو مطالبہ تسلیم کرنے کی بجائے آپ ﷺ نے ایک ماہ یا کچھ زیادہ عرصہ کے لیے ان سے علیحدہ رہنا شروع کر دیا۔ اس محترم ہستی ﷺ نے اپنی بیویوں کی مسلسل درخواست کو برداشت نہ کیا جو اپنی ضروریات کا کوٹہ بڑھانے کے لیے مصر تھیں۔ اس صورت حال میں کیسی عیش کوشی اور کیسی پر آسائش زندگی؟

آنحضرت ﷺ کی شخصیت پر ایسے بے جا الزامات عائد کرنے سے پہلے مغربی ناقدین کو پیغمبر اسلام ﷺ کی از حد مصروف زندگی اور بود و باش کے معیار پر غور کرنا چاہیے تھا۔ مدنی زندگی میں مسلمانوں کی پانچ وقتہ نماز کی امامت کرواتے تھے۔ تاہم جونہی رات شروع ہو جاتی۔ آپ ﷺ اتنی دیر کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے رہتے کہ بعض اوقات آپ ﷺ پاؤں سوج جاتے۔

شاید اسی وجہ سے ان ﷺ کو اپنے آپ کو تھکا دینے والی عبادت سے منع کرنے کے لیے قرآن کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

(ا) اے کپڑوں میں لپٹنے والے قیام کر رات کو مگر تھوڑی سی رات آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دو یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ (سورہ المزمل آیات 1-4)

مسروق نے ایک مرتبہ سیّدہ عائشہؓ ام المومنین سے پوچھا کہ کون سے عمل کو رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا، ایک ایسا عمل جو مسلسل کیا گیا۔ یہ پوچھنے پر کہ وہ رات کو نماز کے لیے کس وقت اٹھتے تھے۔ انہوں نے جواباً فرمایا مرغ کی بانگ سنتے ہی آپ ﷺ اٹھ جاتے تھے۔

سیّدہ عائشہؓ کے مطابق اللہ کے نبی ﷺ اپنی نماز کے دوران اس حد تک لمبا سجدہ کرتے تھے کہ ان کے سجدہ سے سر اٹھانے سے قبل کوئی شخص قرآن پاک کی 50 آیات سنا سکتا تھا۔

ابو وائلؓ نے جناب عبداللہؓ کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث روایت کی ہے:

''ایک رات انہوں نے جناب پیغمبر ﷺ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی اور وہ اس وقت تک نبی ﷺ کے ساتھ کھڑے رہے کہ اچانک ان کے دل میں ایک نازیبا خیال آیا کہ وہ بیٹھ جائیں اور نبی ﷺ کھڑے رہیں''۔

ام المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنے دین سے اس قدر دل و جان سے الفت تھی کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی کے معمولات کو بھی نظرانداز فرمادیتے۔ ام المومنین سیّدہ عائشہؓ نے فرمایا جس شب ان کے پاس قیام کی باری ہوتی تھی حضور ﷺ نصف شب کو اٹھ کر باہر جنت البقیع میں تشریف لے جاتے۔ اور کافی دیر تک وہاں قیام فرماتے اور جنت البقیع میں مدفون مسلمانوں کے لیے دعا فرماتے رہتے۔ لہٰذا ذی شعور قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں جناب پیغمبر ﷺ نے ازواج مطہرات کو محض جنسی تسکین کے لیے حرم نبوی میں قطعاً داخل نہیں کیا تھا اور مغربی ناقدین کی ہرزہ سرائی محض ان کے خبث باطن کی مظہر ہے۔ بنیادی وجہ ان کی اسلام اور حضور ﷺ کے خلاف روایتی مخاصمت ہے۔ جس کا تفصیلی

جائزہ اس کتاب کے باب اول میں موجود ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍوَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ
وعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ O
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍوَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ
عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ O

فہرست اعلام

1۔ ویلفرڈ کانٹ ویل سمتھ(W. CANT WELL SMITH)
(پیدائش1916ءوفات2000ء)

کینیڈا کا مستشرق جو علوم اسلامیہ اور جدید اسلامی دنیا کا ماہر تھا اس نے ٹورنٹو (کینیڈا) میں السنہ شرقیہ کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں مائیکل یونیورسٹی کینیڈا سے ایم اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں پرنسٹن یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ کچھ عرصہ ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) اور ایف سی کالج لاہور (پاکستان) میں بطور پروفیسر تعینات رہا۔ کئی جامعات میں بطور ورزٹنگ پروفیسر بھی کام کیا۔ اسلام اور اسلامی دنیا کے بارے میں اس کی چند تصانیف موجود ہیں۔

2۔ کارل مارکس(KARL MARX)
پیدائش1818ءوفات1884)

جرمنی کا یہ باشندہ یہ اقتصادیات وعمرانیات کا ماہر تھا۔ اس نے اپنے ایک دوست فریڈرک اینجلس کے ساتھ مل کر فروری 1848 میں اشتراکیت کا منشور (COMMUNIST MANIFESTO) پیش کیا۔ اس منشور کو اشتراکی نظریے کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک سیاسی اور معاشی نظام کا خاکہ ہے۔ اس کے بعد وہ برطانیہ منتقل ہو گیا۔ اس کی مشہور کتاب (DAS KAPITAL) ہے جو تین جلدوں میں ہے۔ اس نے لندن میں ہی وفات پائی۔

3۔ REVERAND MONTGOMERY WATT حوالہ صفحہ نمبر1 کتاب

4۔ تھامس پیٹرک ہوجیس (THOMAS PATRICK HUGHES)

(پیدائش1836ءوفات1911ء)

انگریز مشنری جو کلکتہ اور پشاور میں بیس سال تک (1864 تا 1884) مشنری سرگرمیوں میں ملوث رہا۔ ہندوستان میں اس نے اسلام کا مطالعہ کیا اور پشتو زبان میں مہارت حاصل کی۔ پھر امریکہ جا کر آزاد صحافت کا پیشہ اختیار کیا۔ 1989 میں ہنری پوٹر نے اسے مشنری کلیسا کا نگران مقرر کر دیا۔ ہندوستان میں قیام کے دوران اس نے اسلامی ڈکشنری (DICTIONARY OF ISLAM) نامی کتاب لکھی جو لندن سے پہلی بار 1885 میں شائع ہوئی۔

5۔ فلپ کے، ہٹی((PHILIP. K. HITTI)

(پیدائش1886ءوفات1978ء)

یہ لبنانی نژاد امریکی مورخ تھا۔ اس نے لبنان کی امریکن یونیورسٹی سے ڈگری لی اور کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) سے ڈاکٹریٹ کی۔ پھر واپس لبنان میں آکر امریکن یونیورسٹی میں پانچ سال (1915 تا 1919) تک تاریخ عرب کا پروفیسر رہا۔ پھر پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) میں سامی ادب کا چار سال تک 1926 تا 1929) استاد رہا۔ جہاں اس نے عربی زبان وادب اور دین اسلام کی تدریس کا شعبہ قائم کیا۔ وہاں وہ 1929 تا 1954 ڈین رہا اور پھر شعبہ السنہ شرقیہ کے پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائر ہوا۔ کئی اداروں اور جامعات کا ممبر بھی بنا۔ تاریخ عرب پر اس نے کئی کتب لکھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مشرقی وسطی کے امور کے بارے وزارت خارجہ میں مشیر بھی رہا۔

6۔ جے۔ جے۔ سانڈر (J.J. SAUNDER)

(وفات1972)

یہ مستشرق تھا اس نے کنٹر بری یونیورسٹی نیوزی لینڈ میں تاریخ کی تعلیم حاصل

کی۔ اسے قرون وسطیٰ اور بالخصوص جنگوں کی تاریخ سے دلچسپی تھی۔ اس نے تاریخ اسلام اور فتوحات منگول پر بھی کتب لکھیں جو لندن سے طبع ہوئی ہیں۔

7۔ سر ہملٹن اے۔ آر۔ گب (SIR HAMILTON A.R GIBB)

(پیدائش 1895ء تا 1965 یا 1967)

اسے علوم جدید کے انگریز مستشرقین کا امام سمجھا جاتا ہے۔ اسے 1930 میں لندن یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں 1937 میں بطور پروفیسر اس کا تقرر ہوا۔ وہ مجمع العلمی المصر کا رکن بھی رہا۔ اس نے عربی ادب کی تعلیم حاصل کی اور اورنٹیل سکول لندن میں بھی لیکچر دیئے۔ اس نے اسلامی موضوعات پر چند کتب بھی لکھیں۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے لکھنے والوں میں وہ بھی شامل تھا۔ وہ انیس سو ساٹھ کی دہائی میں ہارروڈ یونیورسٹی کے مرکز برائے مطالعہ مشرقی وسطیٰ کے قیام کا بانی تھا۔

8۔ سموئیل پارسونز سکاٹ (SAMUEL PARSONS SCOTT)

(پیدائش 1846ء وفات 1929ء)

یہ امریکی ریاست اوہائیو کا باشندہ اور مورخ تھا وہ ''یورپ میں اسلامی حکومت کی تاریخ'' (HISTORY OF THE MAHOMETAN EMPIRE IN EUROPE) مصنف تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتب کا مصنف تھا۔

9۔ سڈنی کیو (SYDNEY CAVE)

(پیدائش 1883ء وفات 1953)

یہ ایک عیسائی مذہبی پیشوا تھا۔

10۔ تھامس کارلائل (THOMAS CARLYLE)
(پیدائش 1795ء وفات 1881ء)

یہ انگریز مصنف، مورخ اور فلسفی تھا۔ اسے نوبل پرائز بھی ملا۔ اسے متعدل مستشرقین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی قابل ذکر کتاب "تاریخ کی مشہور شخصیات، شخصیت پرستی اور تاریخی کارنامے" (HERO'S, HERO-WORSHIP AND THE HEROIC IN HISTORY) ہے جس میں اس نے ایک باب حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بھی لکھا۔

11۔ گافرے پیرنڈر (GEOFFERREY PARRINDER)
(پیدائش 1910ء وفات 2005ء)

یہ عیسائی پادری اور مشنری تھا۔ کچھ عرصہ افریقی ممالک آیوری کوسٹ وغیرہ میں مشنری سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ بعد ازاں 1958 سے 1977 تک رائل کالج لندن میں پروفیسر رہا۔ اس نے تیں (30) سے زیادہ کتب لکھیں۔

12۔ ڈانٹے الغیر کا (DANTE ALIGHIERI)
(پیدائش 1265 وفات 1321)

اٹلی کا شاعر جس نے مشہور رزمیہ نظم "ڈیوائن کامیڈی" (DIVINE COMEDY) لکھی۔

13۔ الرچ / ہلڈرک زونگلی (ULRICH/HULDREICH ZAWINGLY)
(پیدائش 1484ء وفات 1531)

یہ عیسائی پادری تھا۔ پروٹیسٹنٹ فرقے کا مصلح تھا۔ کیتھولک فرقے سے کشمکش کے نتیجے میں قتل ہو گیا تھا۔ اس نے چند کتب بھی لکھیں تھیں۔

14۔ جان رینالڈ (JOHN RENALD)

اسے فادر رینالڈ بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے ہارورڈ یونیورسٹی سے 1978 میں اسلامیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پھر عربی ادب، فارسی زبان اور اسلامی آرٹ تخصص کیا۔ آج کل وہ مقدس لوئی یونیورسٹی میسوری مین تقابل ادیان کا پروفیسر ہے۔ اس نے اس کے بارے میں چالیس سے زیادہ کتب تصنیف کیں جن میں سے اکثر دین اسلام کے بارے میں ہیں۔

15۔ ہاچم ڈی جاٹ (HICHEM. D. JAUT)
(پیدائش 1935ء)

ٹیونس کا باشندہ، مصنف، مورخ اور فلسفی ہے۔ اس نے 1962ء میں اسلامی تاریخ کی ڈگری لی اور پھر 1981ء میں پیرس یونیورسٹی سے اسلامی تاریخ میں ڈاکٹریٹ کی۔ آج کل وہ ٹیونس یونیورسٹی اعزازی میں پروفیسر ہے۔ مزید برآں مانٹریال کی میکگل یونیورسٹی اور برکلے یونیورسٹی کیلیفورنیا اور فرنچ کالج کا ورزنگ پروفیسر ہے۔ اس نے تاریخ اسلام اور اسلامی موضوعات پر چند کتب لکھیں ہیں۔

16۔ سٹیفن چارلس نیل (STEPHEN CHARLES NEIL)
(پیدائش 1900ء وفات 1984ء)

یہ بین الاقوامی مشنری تھا۔ اس کا تعلق آئیر لینڈ کے کلیسا سے تھا۔ اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ مختلف مشنری تنظیموں کے درمیان روابط اور تعلقات بڑھانے میں صرف کر دیا۔ اس نے پینتیس (35) کے قریب کتابیں لکھیں جو زیادہ تر عیسائیت سے متعلق ہیں۔

17۔سرایڈورڈ ڈینی سن راس (SIR EDWARD DENISON ROSS)

(پیدائش 1871ء وفات 1940)

یہ انگریز مستشرق تھا جو دنیا کی بہت سی زبانوں کا ماہر تھا۔49 زبانیں پڑھ سکتا تھا اور 30 میں گفتگو کر سکتا تھا۔ اس نے مشرق بعید کی زبانوں میں تخصص کیا۔ وہ برطانیہ کے محکمہ اطلاعات کے شعبہ مشرق قریب کا ڈائریکٹر رہا۔ وہ 26 کتابوں کا مصنف تھا۔ برطانیہ کے اورینٹل سکول میں فارسی چیئر کا پروفیسر رہا۔ اس نے مشرقی ادب اور تہذیب وثقافت پر کئی کتب لکھی ہیں۔

18۔ جارج سیل (GEORGE SALE)

(پیدائش 1680ء وفات 1736)

یہ انگریز مستشرق تھا جس نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ اس نے عربی زبان سیکھی اور بہت سے عربی مخطوطات حاصل کر لئے۔ اس نے تاریخ اسلام اور قرآنیات کا خصوصی مطالعہ کیا اور دو تین سال میں قرآن مجید انگلش میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ کل صفحات 470 پر مشتمل ہے جس میں اس نے حواشی اور تفسیری نوٹ کے علاوہ طویل مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ اس کا یہ مقدمہ دین اسلام کے بارے میں عمومی معلومات پر مبنی ہے لیکن اس میں جھوٹ بہتان، فضولیات اور منتشر اجزا کو جمع کر دیا گیا ہے۔

19۔انتونی آشلے بی وان (ANTONY ASHLEY BEVAN)

(پیدائش 1859ء وفات 1934)

یہ انگریز مستشرق تھا جو بائبل کا عالم بھی تھا۔ عربی زبان میں وہ ولیم رائٹ (WILLIAM WRIGT) کا شاگرد تھا اور اسی زبان کا پروفیسر بھی مقرر ہوا۔ اس کے ذاتی کتب خانے میں متعدد کلاسیکل ہندی اور عربی زبان اور ادب کی کتب

موجود تھیں جن کو اس کی وفات کے بعد بی وان لائبریری کا نام دیا گیا۔

20۔جوئل کارمیکائیل (JOEL CARMICHAEL)

وفات 2006ء

یہ مصنف مترجم اور ہمہ جہت شخصیت کا مالک تھا یہ تاریخ روس اور علوم اسلامیہ کے نمایاں ماہرین میں سے تھا۔ اس نے عبرانی، عربی اور آرمنیائی زبان آکسفورڈ یونیورسٹی میں سیکھیں۔ اس نے بعض روسی اور فرانسیسی کتب کا انگلش میں ترجمہ کیا اس نے قدیم مسیحیت اور تاریخ روس اور اسلامی علوم پر بھی کئی کتب لکھی ہیں۔ وہ یہودیوں کے ایک رسالے کا چیف ایڈیٹر بھی رہا۔

21۔ والٹیر (VOLTAIRE)

پیدائش 1694ء وفات 1778ء

یہ فرانسیسی مصنف اور فلسفی تھا۔ پیرس میں پیدا ہوا اس نے لوئی اعظم کرسچیئن کالج میں تعلیم حاصل کی۔ اس نے ایک مذہبی رہنما کی توہین کی جس پر اسے گیارہ ماہ قید کی سزا ہوئی۔ رہائی کے بعد وہ دو سال انگلستان میں رہا۔ وہاں اس نے آزادیٔ فکر کی تحریک چلائی۔ وہ نیوٹن اور دوسرے سائنس دانوں سے بہت متاثر تھا۔ اس نے آزادی، مساوات اور احترام انسانی کا پرچار کیا۔ اس نے کئی کتب لکھیں اور فرانسیسی مسوعہ کی تدوین میں بھی حصہ لیا۔ وہ شاہی محل کا مورخ اور فرانسیسی اکیڈمی کا ممبر بھی تھا۔ وہ مذہب میں آزادی افکار کا علم بردار تھا جس کے سبب دینی رہنماؤں نے اسے پیرس میں مذہبی رسومات کے ساتھ دفن کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی بہت سی تصانیف اس کی وفات کے بعد شائع ہوئیں جن میں ''معجم الفلاسفہ'' بہت اہم ہے۔

22۔ رابرٹ لیسٹر مانڈیل (ROBERT LESTER MONDALE)

(پیدائش 1904ء وفات 2003ء)

یہ فریڈرک ٹاؤن میسوری کا باشندہ تھا۔ امریکہ کے توحید پرست مسیحیوں کا نمائندہ اور تحریک انسانیت کا مبلغ تھا اس نے حقوق انسانی پر کئی لیکچر دیئے۔ ہام لائن یونیورسٹی سے اعلیٰ درجے میں پاس ہوا تھا۔ اس کے بعد اس نے ہارورڈ یونیورسٹی میں اپنی تعلیم کی تکمیل کی۔ اسے شمالی توحید پرست کلیسا کی طرف سے کئی ممالک میں تبلیغ کے لئے بھیجا گیا۔ اس کا چھوٹا بھائی وولٹر مونڈیل امریکی صدر جمی کارٹر کا نائب تھا۔ وہ امریکن ہیومن رائٹس ایسوسی ایشن کا ممبر تھا۔ اسے انسانیت کی خدمات کی بنا پر اعزازی تمغہ سے نوازا گیا۔ اس نے مذہب کے بارے میں کئی کتب لکھیں۔

23۔ گوئٹے (GOETHE)

پیدائش 1749ء وفات 1832ء

یہ جرمنی کا مشہور فلسفی، شاعر اور عالمی ادب کا ممتاز عالم تھا۔ اس نے جرمن زبان کی بہت خدمت کی۔ اس نے قانون کی تعلیم بھی حاصل کی۔ وہ ایرانی صوفی شاعر حافظ شیرازی سے بھی متاثر تھا۔ وہ جرمن حکومت کا وزیر بھی رہا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے قومی تھیٹر اور علمی تنظیموں کے قیام پر توجہ دی۔ وہ سو سے زیادہ کتابوں کا مصنف تھا اور جرمنی کی مشہور ادبی شخصیت گردانا جاتا ہے۔

24۔ رچرڈ ولیم ساؤتھرن (RECHARD WILLIAM SOUTHERN)

(پیدائش 1912ء وفات 2001ء)

یہ برطانیہ کے مشہور مورخین میں سے تھا۔ وہ نیوکیسل میں پیدا ہوا۔ رائل گرائمر

سکول میں تعلیم حاصل کی۔ پھر آکسفورڈ سے اس نے تاریخ میں گریجوایشن کی۔ وہ آکسفورڈ میں تاریخ کا استاد رہا اور وہیں وفات پائی۔ اس نے تاریخ اور اسلام پر کئی کتب لکھیں۔

25۔ برنارڈ لوئیس (BERNARD LEWIS)
(پیدائش 1916ء)

یہ برطانوی اور امریکی صیہونی یہودی مستشرق تھا۔ لندن میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم ولسن سکول اور انجینئرنگ سکول سے حاصل کی پھر لندن یونیورسٹی میں تاریخ کی تدریس کی۔ پھر ورانس میں سامی زبانوں میں ڈپلوما حاصل کیا وہاں اس نے فرانسیسی مستشرق ماسینون وغیرہ سے استفادہ کیا۔ پھر لندن یونیورسٹی کے علوم شرقیہ وافریقیہ کے سکول میں آگیا۔ اس نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری 1939 میں حاصل کی اسے کئی زبانوں مثلاً عبرانی، عربی، آرامی، لاطینی، یونانی، فارسی، اور ترکی پر عبور حاصل تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں اس نے برطانوی وزارت دفاع کی طرف سے جاسوسی کی خدمات سرانجام دیں۔ پھر وزارت خارجہ میں منتقل ہوگیا۔ جنگ کے بعد وہ پھر لندن یونیورستی کے علوم شرقیہ وافریقیہ سکول میں لیکچرر بنا۔ بعدازاں اسے تاریخ اسلام اور علوم شرقیہ وافریقیہ کا پروفیسر بنا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ امریکہ چلا گیا۔ وہ امریکہ اور یورپ کی کئی جامعات کا وزٹینگ پروفیسر رہا۔ وہ 1986ء میں ریٹائر ہوگیا۔ وہ امریکی دانشوروں کے تھنک ٹینک میں بھی شامل رہا اور ہنگٹن سموئیل کا ہم خیال تھا جس نے مشہور کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' لکھی ہے۔ لوئیس نے اسماعیلیہ اور حشامین وغیرہ فرقوں کے بارے میں بھی کتابیں لکھیں۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں چند اور کتب بھی تحریر کیں جن میں ''بنیاد پرست مسلم تحریکات اور اسلام اور جمہوریت'' قابل ذکر ہے۔ اس نے برطانوی حکومت کے لئے میڈیا کے ذریعے بہت خدمت

کی۔ وہ امریکی کانگریس کا بھی مشیر رہا اور مشرق وسطیٰ کے حالات کے بارے میں مشورے دیتا رہا۔ اس نے عربوں اور عالم اسلام پر بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔

26۔ رابرٹ چارلس زائنر (ROBERT CHARLES ZAEHNER)

پیدائش 1913ء وفات 1974ء

یہ برطانوی مستشرق تھا جس نے ایشیائی مذاہب میں تخصص کیا وہ خفیہ ادارے کا افسر بھی رہا اور برطانوی حکومت میں جنگ عظیم دوم کے دوران اس کی خدمات حاصل کیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد وہ تہران (ایران) میں برطانوی سفارت خانے میں ملازم رہا۔ وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں 1950 میں فارسی کا لیکچرر بھی رہا۔ پھر واپس ایران میں برطانوی سفارت خانے میں قونصلیٹ بن گیا۔ وہ دراصل خفیہ ادارے کا ایجنٹ تھا۔ اس کا بنیادی کام رضا شاہ پہلوی کی مفادات کا تحفظ تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پیش نظر ایران کے تیل پر برطانوی قبضے کے لئے راہ ہموار کرنا تھا۔ بعد ازاں وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایشیائی مذاہب اور ان کی اخلاقیات کا استاد مقرر ہوا۔ بعض خفیہ اداروں کے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ جرمنی اور ایران میں برطانوی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لئے روسی حکومت کے لئے کام کرتا رہا۔ اس نے تصوف اور روحانیت پر کئی کتابیں لکھیں۔

27۔ الفریڈ جوشوا بٹلر (ALFRED JOSHUA BUTLER)

(پیدائش 1850)

یہ برطانوی مورخ تھا۔ ابتدائی تعلیم ٹرمنٹی سکول آکسفورڈ سے حاصل کی۔ وہ مانچسٹر میں پروفیسر رہا۔ وہ توفیق مصری کا اتالیق بھی تھا۔ اس نے قاہرہ اور مصر کے دورے پر قدیم گرجا گھروں کے بارے میں تحقیق کی۔ پھر اس نے قدیم قبطی کلیسا پر

کتاب لکھی۔ جس کا عربی زبان میں بھی ترجمہ موجود ہے۔ اس نے مصری کلیسا اور مصری حکمرانوں کے بارے میں بھی کتب لکھیں۔

28۔ ہرقل (HERACLIUS)

(وفات 641ء)

یہ بازنطینی عیسائی حکمران تھا۔ اسے صحابہ کرام نے 636ء میں جنگ یرموک میں شکست دی۔

29۔ سر ولیم میور (SIR WILLIAM MUIR)

(پیدائش 1819ء وفات 1905ء)

مشہور برطانوی مستشرق تھا جو سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا۔ اس نے تاریخ اسلامی کا خوب مطالعہ کیا اس نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ ہندوستان میں برطانوی محکمے میں گزارا۔ وہ ایڈنبرا یونیورسٹی میں بھی پڑھاتا رہا۔ اس کی مشہور کتب میں سے ایک خلافت (CALIPHATE) اور دوسری ''لائف آف محمد'' جو چار جلدوں میں ہے۔

30۔ کارل ہنرچ بیکر (CARL HEINRICH BECKER)

(پیدائش 1876ء وفات 1935)

یہ جرمن مستشرق اور علوم اسلامیہ کا ماہر تھا۔ وہ ایمسٹرڈم (نیدرلینڈ) میں پیدا ہوا۔ اس نے کئی یورپی جامعات میں تعلیم حاصل کی۔ وہ تقابل ادیان کا عالم اور استاد تھا۔ وہ ان مشہور مستشرقین میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے اسلامی تاریخ اور تمدن اور اقتصادیات پر کتابیں لکھیں۔ اس نے کئی دوسرے ممالک مثلاً ترکی، سوڈان، اور یونان کا بھی تعلیمی دورہ کیا۔ اس نے 1899ء میں پی ایچ ڈی کر لی۔ وہ کچھ عرصہ چین کے شہر میڈرڈ کی لائبریری میں بھی کام کرتا رہا جہاں اس نے عربی مخطوطات کے بارے میں کچھ علمی کام کیا وہ عربی زبان سیکھنے کے لئے مصر بھی گیا۔ بعد میں وہ جرمن حکومت

کے تحت ایک ادارے کا پروفیسر رہا۔ وہ رسالہ "الاسلام" میں بھی لکھتا رہا۔ اسے جرمنی کے ایک صوبے میں وزیر ثقافت مقرر کیا گیا۔ اس نے جرمن زبان میں 15 کے لگ بھگ کتابیں لکھیں جو عموماً اسلامی تاریخ وتمدن سے متعلق ہیں۔ اس کی ایک کتاب "عیسائیت اور اسلام" (Christianity & Islam) کے نام سے بھی ہے۔ جس کا انگلش ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس نے اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں بھی کئی مقالات لکھے ہیں۔ اس نے برلن (جرمنی) میں وفات پائی۔

31۔ جیمس ویسٹ فال تھامپسن (JAMES WESTFALL THOMPSON)

(پیدائش 1869ء وفات 1941)

یہ امریکی مورخ تھا۔ اس نے ازمنہ وسطی کے بارے میں تاریخ کے حوالے سے شہرت پائی۔ اس نے کئی اسلامی، اقتصادی تاریخ، قدیم لائبریریوں اور دوسرے موضوعات پر کتب لکھی ہیں۔

32۔ تھامس واکر آرنلڈ (THOMAS WALKER ARNOLD)

(پیدائش 1864ء وفات 1930ء)

یہ انگریز مستشرق تھا۔ ابتدائی تعلیم کیمبرج یونیورسٹی لندن سے حاصل کی۔ وہ علی گڑھ کالج (ہندوستان) میں بھی استاد تھا۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کا استاد بنا۔ کچھ عرصہ اورینٹل کالج جامعہ پنجاب کا سربراہ رہا۔ واپس برطانیہ آکر وہ کیمبرج میں عربی کا پروفیسر بھی رہا۔

وہ کئی زبانیں جانتا تھا جس میں فرانسیسی، جرمنی، لاطینی، پرتگالی، ہسپانوی، روسی زبانیں شامل ہیں اس نے تاریخ اسلام کے بارے میں منفرد اور منصفانہ کتب لکھیں۔ انگلش میں بھی اس کی کئی "تصانیف موجود ہیں۔ اس کی ایک مشہور کتاب" تبلیغ

اسلام "The Preaching of Islam" ہے وہ فلسفے میں علامہ اقبال کا بھی استاد رہا ہے۔

33۔ ایڈورڈ۔جی۔براؤن (EDWARD G. BROWN)

(پیدائش 1862ء وفات 1926ء)

یہ انگریز مستشرق اور ڈاکٹر تھا۔ یہ پالمر (Palmer) کا پیروکار تھا۔

کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کا استاد بنا۔ پھر وہ آستانہ (ترکی) چلا گیا جہاں وہ طب کا استاد رہا۔ واپس آکر پھر کیمبرج یونیورسٹی میں اپنی وفات تک عربی اور فارسی کا پروفیسر رہا۔ اس کی اہم کتب میں سے ایک "تاریخ ادب فارسی" "A Literary History of Persia" ہے۔

34۔ روم لانڈو (ROM LANDAU)

(پیدائش 1899ء وفات 1974)

یہ پولینڈ کا مستشرق تھا۔ یہ ادیب، استاد عربی زبان جاننے والا اور ماہر تعمیرات تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران رائل ایئرفورس برطانیہ میں رضاکارانہ طور پر خدمت سرانجام دیتا رہا۔ وہ مراکش اور شرق اوسط کی تاریخ سے بھی واقف تھا اور اس نے ان کے بارے میں کئی کتب مختلف زبانوں میں لکھیں۔ وہ کیلیفورنیا کے پیسفیک کالج میں عربی زبان کا استاد بھی بنا۔ وہ آرٹسٹ اور نقاد بھی تھا۔ عربی زبان میں مہارت کی بنا پر وہ برطانیہ کے خفیہ ادارے میں بھی کام کرتا رہا۔

35۔ جارج فنلی (GEORGE FINLAY)

(پیدائش 1799ء وفات 1875ء)

یہ برطانوی مورخ تھا۔ اس نے یونان کی جنگ آزادی میں حصہ لیا اور وہیں مقیم رہا۔ اس نے رومی فتوحات کی تاریخ کے بارے میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔

36۔ ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON)

(پیدائش 1737ء وفات 1794ء)

اپنے دور کا سب سے بڑا مورخ سمجھا جاتا تھا۔ وہ پارلیمنٹ کا ممبر بھی رہے۔ وہ لندن کے قریب ایک مقام پر پیدا ہوا۔ اس نے آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی۔ اس نے اپنی پہلی کتاب فرانسیسی زبان میں لکھی۔ اس کا کلیسا سے بھی تعلق رہا۔ وہ روم (اٹلی) بھی گیا جہاں اس نے اپنی زندہ جاوید کتاب ''رومی سلطنت کا عروج وزوال'' لکھی۔ اس کے علاوہ بھی اس نے چند ایک کتب لکھی ہیں۔

37۔ ہیری ڈبلیو ہازارڈ (HARRY W. HAZARD)

اس نے ''اٹلس اسلامی تاریخ'' (ATLAS ISLAMIC HISTORY) کے نام سے ضخیم کتاب لکھیں۔

38۔ ایچ جی ویلز (H.G WELLS)

(پیدائش 1866ء وفات 1946ء)

یہ انگریز مصنف تھا۔ وہ علمی موضوعات پر لکھنے والوں میں ممتاز حیثیت رکھتا۔ اس کی ایک کتاب ''عالمی جنگ'' (The War of the Worlds) اور دوسری ''خاکہ تاریخ'' (The Outline of History) بہت مشہور ہیں۔

39۔ آرنلڈ جوزف ٹوائن بی (ARNOLD JOSEPH TOYNBEE)

(پیدائش 1889ء وفات 1975ء)

یہ مشہور برطانوی مورخ اور فلسفی تھا۔ اس نے آکسفورڈ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر وہیں استاد رہا۔ اس نے پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کے محکمہ خارجہ میں خدمات سرانجام دیں۔ وہ لندن یونیورسٹی میں لغت اور تاریخ کا استاد تھا۔ پھر اس نے کچھ

عرصہ رائل کالج میں بھی تدریس کی۔ اس نے تاریخ پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ لیکن اس کی اصل شہرت کا باعث اس کی مشہور کتاب ''مطالعہ تاریخ'' *A study of History"* ہے۔

40۔ لی اون قیتانی *(LEONE CAETANI)*

(پیدائش 1869ء وفات 1926ء)

یہ اٹلی کا ممتاز مستشرق تھا۔ وہ کئی زبانوں مثلاً عربی اور فارسی کا ماہر تھا۔ وہ امریکہ میں اپنے ملک کا سفیر رہا۔ اس نے کئی ممالک جیسے ہندوستان، ایران، مصر، شام، لبنان کا دورہ کیا۔ اس نے عربی کتب خانہ کی بڑی لائبریری قائم کی۔ اس نے وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا ذاتی کتب خانہ اٹلی لائبریری کو دے دیا جائے۔ اس کی مشہور کتب میں سے ''تاریخ اسلام'' دس جلدوں میں موجود ہے جس میں 35ھ تک کی تاریخ کو مستشرقین کے ہاں تاریخ اسلام کا معتبر ماخذ مانا جاتا ہے۔

41۔ آر۔ باس ورتھ سمتھ *(R. BOSWORTH SMITH)*

(پیدائش 1839ء وفات 1908)

یہ عیسائی پادری تھا جو ہیرو *(Harrow)* سکول کا انچارج تھا اس نے تیرہ (13) کے لگ بھگ کتابیں لکھیں۔ وہ بوسٹن امریکہ میں پیدا ہوا اور پھر برطانیہ منتقل ہو گیا وہاں کچھ عرصہ رہنے کے بعد واپس ہیرو میں آکر استاد بن گیا۔ اس کی کتابوں کا ایک ہی مرکزی موضوع تھا وہ تھا برطانوی استعمار کی اصل ذمہ داریاں۔ وہ تقابل ادیان کے ذریعے مختلف مذاہب کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے کوشاں رہا۔ اس نے ''برطانوی استعماریت''۔ مشنری فرائض، ''محمد ﷺ اور اسلام''، اور ''محمد ﷺ اور عیسائیت'' کے نام سے کتب لکھیں۔

42۔ سید امیر علی بن سعادت علی
(پیدائش 1949ء وفات 1928ء)

امیر علی کے آباؤ اجداد ایران کے رہنے والے تھے۔ جو اٹھارویں صدی میں نادر شاہ کے حملے کے وقت ہندوستان آ گئے۔ امیر علی ریاست اودھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ہگلی کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔ پھر علی گڑھ سے گریجویشن کی۔ لندن سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں وہ بنگال میں جج بھی رہے۔ پھر لندن چلے گئے اور وہاں بادشاہ کے قانونی مشیروں میں شامل کیے گئے۔ یہ عہدہ صرف انگریزوں کے لیے مخصوص تھا لیکن ایک ہندوستانی کو بھی دے دیا گیا۔ انہوں نے ہندی مسلمانوں کے سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لئے 1871ء میں ایک تنظیم بنائی جس کا نام اسلامک نیشنل کانگریس تھا۔ سر سید احمد خان کی وفات کے بعد ان کو اسلامک ایجوکیشن کانفرنس کا سربراہ بنا دیا گیا۔

امیر علی لندن میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں ان کی ایک تصنیف "Spirit of Islam" بہت مشہور ہے۔ اگرچہ اس کے بعض مندرجات متنازعہ ہیں۔

43۔ سید ابوالحسن ندوی
(پیدائش 1914ء وفات 1999ء)

آپ یوپی کے شہر رائے بریلی کے قریب تکیہ نامہ بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین بہت نیک اور صالح تھے۔ آپ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور ندوۃ العلماء لکھنو سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ وہ کئی برس تک وہاں استاد بھی رہے۔ وہ عالمی سطح کے مبلغ مصلح اور داعی تھے۔ وہ ملکی اور غیر ملکی متعدد تنظیمات کے رکن تھے۔ عربی اور اردو میں بہت سی دینی، علمی اور ادبی کتب کے مصنف ہیں۔

44۔ ہمبولٹ (Humboldt)

(پیدائش 1769ء وفات 1859ء)

یہ جرمن محقق اور سائنسدان تھا۔ اس نے وسطی اور جنوبی امریکہ کا علمی و تحقیقی دورہ کیا۔ اس نے وہاں کئی نباتات کے نمونے جمع کیے۔ اس کے علاوہ اس نے موسمیات پر بھی تحقیقی کام کیا۔ وہ اپنی عمر کے آخری تیس برس مقناطیسیت کا مضمون پڑھاتا رہا۔ اس نے پانچ جلدوں میں ایک ضخیم کتاب کائنات (Kosmos) کے نام سے لکھی ہے۔

45 ریناں ارنسٹ (RENAN EARNEST)

(پیدائش 1823ء وفات 1892)

یہ فرانسیسی مورخ، نقاد اور مستشرق تھا۔ اس نے اپنے دین کو عقیدے کی حیثیت سے نہیں بلکہ تاریخ کے طور پر سیکھا تھا۔ اس نے بعد میں کیتھولک عیسائیت کو چھوڑ دیا۔ وہ لبنان اور فلسطین بھی گیا۔ وہ فرانس میں فرانسیسی اکیڈمی کا ممبر تھا اور بعد میں فرانسیسی لینگویج کالج کا پرنسپل بن گیا۔ وہ ابتدائی مستشرقین میں سے تھا۔ اس نے کئی کتب لکھیں۔

46۔ ابی لارڈ (ABELORD)

(پیدائش 1079ء وفات 1142)

یہ فرانس کا فلسفی، ماہر تعلیم الٰہیات و روحانیات تھا۔ اس نے تنقید اور جدل و مناظر میں شہرت پائی۔ وہ کئی لحاظ سے متنازعہ شخصیت تھا۔ اس نے کئی کتابیں لکھیں جو زیادہ تر مذہبی اور فلسفیانہ مناقشات سے متعلق تھیں۔

47۔ اے کے بروہی (A.K BROHI)

(پیدائش 1915ء وفات 1987ء)

پاکستان کے مشہور قانون دان جو ضیاء الحق کے دور میں وفاقی وزیر بھی رہے۔

انہوں نے کئی کتب لکھیں۔ان کی ایک کتاب کا نام ”جدید دور میں اسلام“ (Islam in the Modem World) ہے۔

48۔ڈاکٹر رابرٹ بریفالٹ (DR. ROBERT BRIFFAULT)

(پیدائش 1876ء وفات 1948)

یہ فرانسیسی ناول نگار اور انسانی تاریخ اجتماع (Anthropology) کا ماہر اور سرجن تھا۔اس نے ایم بی بی ایس کی ڈگری جامعہ ڈنیڈن نیوزی لینڈ سے حاصل کی۔ پھر اس نے ڈاکٹری کی پریکٹس کی۔ وہ موسیقی اور اسلامی شاعر سے متاثر تھا۔اس نے کئی موضوعات پر کتب لکھیں ہیں۔

49۔ گستاف ای ۔ وان ۔ گرون بام (GUSTAV E. VON GRUNEBAUM)

(پیدائش 1090ء وفات 1972ء)

یہ کیلفورنیا یونیورسٹی (لاس انجیلس) میں تاریخ کا پروفیسر تھا۔ یہ اصل میں جرمن یہودی تھا جو اسلام کا بدترین دشمن تھا۔اس نے برلن میں تعلیم حاصل کی۔ پھر امریکہ چلا گیا۔ وہاں وہ نیو یارک یونیورسٹی اور پھر شکاگو یونیورسٹی میں پڑھاتا رہا۔ وہ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کا ماہر تھا۔اس نے اسلام اور تاریخ اسلام کے بارے میں کئی کتابیں لکھیں۔

50۔ ڈٹشے (DEUTSCH)

یہ جرمن مستشرق تھا۔

51۔ جارج سارٹن (GEORGE SARTON)

(پیدائش 1884ء وفات 1956ء)

یہ امریکی سائنس دان تھا۔اس نے طبیعات اور ریاضی میں ڈاکٹریٹ کی۔ اس

نے عربی سیکھنے کے لئے شام، مصر، تیونس، الجزائر اور مراکش کا سفر کیا۔ وہ واشنگٹن اور ہارورڈ یونیورسٹی میں لیکچرار بھی رہا۔ اس نے امریکن یونیورسٹی بیروت میں کئی لیکچر دیئے۔ وہ کئی زبانیں جانتا تھا۔ وہ کئی علمی انجمنوں اور تنظیموں کا ممبر بھی تھا۔ اس کی ایک کتاب (Introduction to the History of Science) کے نام سے ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔

52۔ ولیم ڈریپر (WILLIAM DRAPER)
(پیدائش 1811ء وفات 1882ء)

وہ امریکن کیمسٹری کانگریس کا پہلا صدر تھا۔ امریکی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی۔ اس نے روشنی کی کیمیا کے بارے میں تحقیق کی۔ چاند کی پہلی تصویر اس نے لی تھی۔ اس نے سائنس، کیمیا اور طب پر کتب لکھیں۔

53۔ ایڈورڈ ویسٹر مارک (EDWARD WESTERMARK)
(پیدائش 1882ء وفات 1939ء)

یہ فن لینڈ کا ماہر علم الانسان (Anthropologist) تھا۔ یہ لندن یونیورسٹی میں سماجیات (Sociology) کا پروفیسر تھا۔ پھر یہ فلسفے کا استاد بھی بنا۔ وہ تاریخ پر سند سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اپنے میدان میں کئی کتب لکھیں۔ اس کی مشہور کتاب کا نام ''عیسائیت اور اخلاق'' ہے۔ اس کی ایک اور کتاب کا نام ''تاریخ نکاح انسانی'' The History of Human Marringes ہے۔

54۔ جارج سمپسن مار (GEORGE SIMPSON MARR)

اس نے ایڈنبرا یونیورسٹی سے آرٹس میں ڈاکٹریٹ کی۔ اس کی کئی تصانیف ہیں مثلاً دین میں جنس۔ ایک تاریخی جائزہ Sex in Religion An Historical Survey عیسائیت میں امراض کا علاج Christianity

and Cure of Diseases قابل ذکر ہیں۔

55۔ سینٹ پال *SAINT PAUL*

(پیدائش 05ء وفات 67ء)

یہ قدیم مسیحیت کا اہم ستون تھا اور حواری ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور اسے عیسائیت کی تاریخ میں بہت ممتاز درجہ حاصل ہے۔ وہ ایشیائے کوچک کے شہر طرطوس (روم) میں پیدا ہوا۔ وہ اصلاً یہودی تھا پھر ان نے عیسائی اختیار کر لی۔ اس نے ایشیائے کوچک اور یونان میں جدید عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس نے عیسائیت میں تثلیث (*Trinity*) کا عقیدہ رائج کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب گردانا تھا۔ اُس نے نکاح کو برائی قرار دیا۔

56۔ مارٹن لوتھر (*MARTIN LUTHER*)

(پیدائش 1483ء وفات 1546ء)

پروٹسنٹ فرقے کا بانی اور مسیحیت کا مشہور مصلح۔ وہ جرمنی میں پیدا ہوا۔ اس نے عیسائی مذہبی پیشواؤں کو قریب سے دیکھا۔ اس سلسلے میں وہ پاپائے روم کے پاس بھی پہنچا لیکن وہ کلیسا کے مروجہ نظام سے مایوس ہو گیا پھر اس نے اصلاح کلیسا کی تحریک شروع کر دی مگر کلیساء کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی اور اسے توبہ اور نجات سے محروم قرار دیا گیا۔ لوتھر کو عیسائیت کے بعض بنیادی عقائد سے اختلاف تھا۔ گناہ کی بخشش، جنت کے پروانے خفیہ توبہ کا تصور ان سب امور سے وہ نالاں تھا۔ اس نے پروٹسنٹ فرقے کی بنیاد رکھی اور بائیبل کا جرمن زبانی میں ترجمہ کیا۔ اس نے پوپ کی انجیل کی شرح پر اجارہ داری کو چیلنج کیا اور دوسروں کو بھی انجیل کی شرح کرنے کا اختیار دیا۔

57۔ فلپ شاف (*PHILIP SCHAFF*)

(پیدائش 1819ء وفات 1893ء)

یہ امریکی ماہر الٰہیات، کلیسا اور مسیحیت کا مورخ تھا اور امریکہ میں کلیسیائی فکر کا

پیشوا۔اس نے جرمنی میں تعلیم پائی اور امریکہ میں تدریس کرتا رہا۔اس نے کئی ممالک کا سفر کیا جن میں برطانیہ اٹلی شامل ہیں۔وہ برلن یونیورسٹی کا اعزازی پروفیسر بھی رہا۔ اسے پنسلوانیا (امریکہ) کی طرف سے کتاب مقدس اور مسیحی کلیسا کی تاریخ کا استاد بننے کی پیش کش کی گئی۔وہ نیویارک (امریکہ) میں پروفیسر رہا۔اس نے کلیسا اور اس کی تاریخ پر کئی کتب لکھیں۔اس کی کتاب ''مسیحی کلیسا کی تاریخ'' (History of Christian Church) قابل ذکر ہیں۔

58۔ گستاف ویل (GUSTAV WEIL)

پیدائش 1808ء وفات 1889

یہ مشہور محقق اور جرمن مستشرق تھا۔اس نے جرمنی، فرانسیسی اور عبرانی زبان بھی سیکھی۔اس کی مادری زبانی لاطینی تھی۔اس نے ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور عربی زبانی سیکھی۔وہ فرانس کی طرف سے الجزائر میں فوجی خدمات کے لئے بطور ترجمان بھی گیا۔وہ مصر میں فرانسیسی زبان کا استاد بھی رہا۔اس نے جدید فارسی اور ترکی زبان بھی سیکھی۔وہ کئی کتب کا مصنف تھا۔اس نے عربی ادب اور سیرت پر بھی کتابیں لکھیں۔اس کی ایک کتاب ''مسلمانوں کی تاریخ'' History of Islamic Peoples) قابل ذکر ہے۔

59۔ ولیم ڈیورانٹ (WILLIAM DURANT)

وفات 1885ء

یہ امریکی ادیب، مورخ اور فلسفی تھا۔اس نے تاریخ اور فلسفے پر کئی کتب لکھیں۔

60۔ جان ڈیوپورٹ (JOHN DAVENPORT)

(پیدائش 1789ء وفات 1877)

یہ انگریز سائنسدان اور مصنف تھا۔اس کی شخصیت متنازعہ تھی۔اس نے کئی

کتابیں لکھیں جس ''میں محمدؐ اور قرآن'' قابل ذکر ہے۔

61۔ نابیہ ایبٹ(NABIA ABBOT)

(پیدائش1897ءوفات1981ء)

یہ امریکی مستشرقہ اور عربی زبان کی ماہر تھی۔ وہ ترکی میں پیدا ہوئی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد وہ اپنے خاندان سمیت ہندوستان منتقل ہوگئی۔ پھر وہ عراق میں کچھ عرصہ رہی بعدازاں امریکہ چلی گئی۔ وہاں شکاگو یونیورسٹی میں پروفیسر رہی۔ اس نے قدیم ادب اسلامی میں تخصص (Specialization) کیا۔ اس نے سات کے قریب کتب لکھیں اور کچھ مقالات بھی تحریر کئے۔ جن میں سے (Aysha the Beloved of Mohammad) قابل ذکر ہے۔

62۔ کیرن آرم سٹرانگ(KAREN ARMSTRONG)

(پیدائش1944ء)

یہ برطانوی راہبہ ہے۔ لیکن پھر وہ تقابل ادیان کی محقق بن گئی اس نے اسلام، یہودیت، عیسائیت اور بدھ مذہب پر کتب لکھیں۔ اس نے بیس 20 کے قریب کتب لکھیں جو زیادہ تر تقابل ادیان پر مشتمل ہیں۔ اس نے سیرت پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ''سیرت رسول'' A Biography of the Prophet ہے۔

63۔ جان ملٹن(JOHN MILTON)

(پیدائش1608ءوفات1674ء)

یہ شیکسپیئر کے بعد انگلش کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔ وہ 1638ء میں اٹلی چلا گیا جب واپس آیا تو اس نے برطانیہ کو خانہ جنگی کی حالت کے قریب پایا۔ اس دوران اس کی بینائی جاتی رہی۔ اس کی مشہور کتابیں ہیں۔ ایک ''فردوس گم گشتہ'' (PARADISE DOST) اور دوسری ''فردوس حاصل شدہ''

(PARADISE REGAINED) ہے۔

64۔ سینٹ بونی فیس (SAINT BONIFACE)

(پیدائش 675ء وفات 754ء)

یہ انگریز راہب اور مشنری تھا۔ وہ روم بھی گیا اس نے جرمنی میں کلیسا کو منظم کیا جہاں وہ اپنے پچاس ساتھیوں سمیت قتل کیا گیا۔ اسے جرمن رسول (Apostle of Germany) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

65۔ اے جی لینارڈ (A.G. LEONARD)

(پیدائش 1855)

یہ سکاٹ لینڈ کا فوجی افسر تھا۔ اس کا شمار برطانوی مورخین میں بھی ہوتا ہے۔ وہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ (بھارت) میں پیدا ہوا۔ وہ کئی برس تک نائیجریا میں برطانوی حکومت کی طرف سے نائب قونصلیٹ کے عہدہ پر فائز رہا۔ اسی زمانے میں روڈیشیا نامی ملک نے آزادی حاصل کی۔ اس نے اسلام اور نائیجریا کے بارے میں کتب لکھیں اور نائجیریا کا نقشہ بھی مرتب کیا۔

66۔ ڈی۔ ایس مارگولیتھ (D.S. MARGOLIOUTH)

(پیدائش 1858ء وفات 1940ء)

یہودی انگریز مستشرق۔ جو انتہائی متعصب اسلام دشمن تھا۔ وہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لکھنے والوں میں شامل تھا۔ وہ مصری اور شامی علمی اور ادبی تنظیموں کا ممبر بھی تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کا استاد بھی رہا۔ اس نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے ایک ''اسلام کی نشاۃ اولیٰ'' The early development of Mohammadanism) اور دوسری ''محمدؐ اور عروج اسلام'' (Mohammad and the Rise of Islam ہے۔

مشہور مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین بھی اس کا شاگرد تھا۔ جس نے اپنے استاد کی کتاب ''مقدمہ الشعر الجاھلی'' سے متاثر ہو کر اپنی کتاب ''الشعر الجاھلی'' لکھی تھی اور خلق قرآن کا نظریہ پیش کیا۔ جب طٰہٰ حسین پر اعتراضات ہوئے تو اس نے اپنے نظریات سے رجوع کر لیا۔

67۔ ریوبین لیوی (REUBEN LEVY)

(پیدائش 1891ء وفات 1966ء)

یہ برطانوی مستشرق اور فارسی زبان کا ماہر تھا۔ وہ کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی کا استاد بھی رہا۔ اس نے اسلامی نظام اجتماعی اور فارسی زبان وادب پر کئی کتب لکھیں۔

68۔ مارکس ڈاڈس (MARCUS DODS)

پیدائش 1834ء وفات 1909ء

یہ سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا۔ الہیات، مذہبی علوم اور بائبل کا عالم تھا۔ اس کا باپ اپنے شہر کے کلیسا کا سربراہ تھا۔ اس نے ایڈنبرا یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ پھر اسے گلاسکو کلیسا کا سربراہ بنایا گیا جہاں وہ پچیس برس تک رہا۔ پھر اسے ایڈنبرا یونیورسٹی میں بائبل کا استاد مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں ترقی پا کر وہیں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہوا۔ اس نے مذہبی کتابوں کی نشر و اشاعت میں بہت حصہ لیا۔ وہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کی تدوین میں شریک رہا۔ اس نے کئی مذہبی کتب بھی لکھیں جن میں ''محمد ﷺ گوتم بدھ اور مسیح'' (Mohammad, Budha and Christ) شامل ہیں۔

69۔ ایمائیل ڈرمنگھم (EMILE DERMENGHEM)

یہ فرانسیسی مستشرق تھا۔ وہ الجزائر میں فرانس کی طرف سے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہا۔ کئی کتب اور مقالات کا مصنف ہے۔ اس کی مشہور ترین کتاب ''حیات محمد ﷺ'' (Life of Mahmoet) ہے۔

70۔ سر جان بیگٹ گلب (SIR JOHN BAGOT GLUBB)
پیدائش 1897ء وفات 1986ء)

یہ برطانوی مستشرق اور فوجی جرنیل تھا۔ وہ برطانیہ کی نمایاں فوجی اور سیاسی شخصیات میں شامل تھا۔ اس نے اردنی فوج کی تنظیم سازی کی۔ وہ پریسٹن میں پیدا ہوا تھا لیکن وہ اصل میں آئر لینڈ کا باشندہ تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد وہ عراق میں برطانوی فوج کی طرف سے خدمات انجام دیتا رہا۔ وہ برطانوی ائرفورس کی خفیہ ایجنسی کا سربراہ تھا۔ وہیں عراق میں اس نے عربی زبان سیکھی۔ اس نے برطانوی حکومت کی پالیسی کے تحت اردن کے بادشاہ سے دھوکہ کیا اور 1948 میں عربوں کی سرزمین پر اسرائیل کی ناجائز ریاست کے قیام میں مدد دی۔ اس نے کئی کتابیں لکھیں جو زیادہ تر عربوں کی تاریخ اور ان کے جغرافیے سے متعلق ہیں۔ اس نے سیرت پر بھی ایک کتاب "حیات محمد ﷺ اور آپ ﷺ کا زمانہ" The Life and time of Muhammad) لکھی ہے۔

71۔ فدا حسین ملک

یہ علیگ تھا۔ اس نے قانون کی ڈگری بھی حاصل کی اس کی عمر کا زیادہ تر حصہ بہاولپور کے محلہ بغداد جدید میں گزرا۔ اس نے "ازواج النبی ﷺ" Wives of the Prophet کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

72۔ ڈاکٹر لی اون نیمائے (LEON NEMOY)
(پیدائش 1901ء وفات 1998ء)

یہ یہودی مستشرق تھا جو اصل میں روس کا باشندہ تھا یہ غیر تلمودی یہودی ادبیات کا ماہر تھا۔ اس نے کئی کتب اور مقالات تحریر کیے۔ اس کی مشہور کتاب "یہودی عالمی انسائیکلوپیڈیا" Universal Jewish Encyclopaedia ہے۔

73۔ سٹینلے لین پول(STANLEY LANEPOOLE)

(پیدائش1854ءوفات1934)

یہ انگریزی اور عربی لغت کا ماہر تھا۔ وہ موسودآ ثار قدیمہ مصر کی تیاری میں بھی شامل رہا۔اس نے ایڈورڈ ولیم لین(Edward William Lane) کی نامکمل کتاب عربی انگلش لغت (Lexicon) کی تکمیل میں بھی حصہ لیا مگر وہ اسے مکمل کرنے سے پہلے ہی فوت ہوگیا۔

74۔ سپرنگر(SPRENGER)

پیدائش1813ءوفات1893)

یہ آسٹریا کا باشندہ اور مستشرق تھا۔ وہ کچھ عرصہ ہندوستان میں بھی رہا۔ اس نے ریاست اودھ میں بعض عربی، اردو، فارسی، ہندی مخطوطات کی فہرست Catalogue) of the Bibliotheca Orientatlis تیار کی۔ اس نے سیرت پر بھی چار جلدوں پرایک کتاب لکھی جس کی پہلی جلد کا ترجمہ جرمنی زبان میں ہوا۔

75۔ ٹوراینڈرائے(TOR AND RAE)

(پیدائش1885ءوفات1947ء)

یہ سویڈن کا باشندہ تھا۔ یہ سیرت نگار تھا اور تقابل ادیان کا ماہر تھا۔ اس نے 1917 میں اپسالا (Upsala) یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی وہ کئی برس مختلف جامعات میں تاریخ ادیان کا استاد رہا۔ وہ کچھ عرصہ وزیر تعلیم بھی رہا۔ اس نے کئی کتب لکھیں۔ سیرت پر اس کی کتاب '' محمد ﷺ کی شخصیت اور آپ ﷺ کا دین''(Muhammad: The man and his faith) کے نام سے موجود ہے۔

76۔ مذکورہ کتاب کے مصنف کا نام ہنری سمتھ ولیم (Henry Smith

William) ہے۔

77۔ رچرڈ لیوان سن (RICHARD LEWINSON)

پیدائش 1894ء وفات 1968)

یہ جرمنی کا مشہور مصنف اور ماہر معاشیات تھا اس نے جرمنی میں تعلیم پائی۔ اس نے پیرس، برازیل، میڈرڈ کا دورہ کیا۔ وہ اصل میں طب اور معاشیات کا ماہر تھا۔ لیکن اس کی شخصیت مختلف الجہات تھی۔ اس نے ڈاکٹری کی پریکٹس بھی کی۔ اس نے اقتصادیات پر کئی کتابیں لکھیں اس کی کتب میں ''جنسی روایات کی تاریخ'' A History of Sexual Customs) شامل ہے۔

78۔ لارڈ ہیڈلے (LORD HEADLEY)

(پیدائش 1855ء وفات 1935)

یہ برطانیہ کا عیسائی باشندہ تھا۔ اس نے کیمرج یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی تعلیم کی۔ وہ برطانوی فوج میں خدمات سرانجام دیتا رہا۔ اس نے ہندوستان میں رہتے ہوئے کشمیر کا دورہ بھی کیا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا مگر درحقیقت قادیانی تھا۔ اس نے متعدد کتب لکھیں۔ اس نے اسلامک ریویو (Islamic Review) میں بھی کئی مقالات لکھے۔ اس کی ایک کتاب ''دنیا کے تین عظیم انبیاء کرام موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام'' The Three Great Prophets of the World: Moses, Jesus, and Muhammad بھی ہے۔

79۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

(پیدائش 1908ء وفات 2002)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ وہ مشہور مورخ، علوم

اسلامیہ اور بین الاقوامی قانون کے ماہر تھے۔ انہوں نے سیرت پر بھی کام کیا۔ کئی قلمی مخطوطات کو مدون کر کے شائع کرایا۔ انہوں نے جامعہ عثمانیہ دکن سے تعلیم حاصل کی۔ پھر ڈاکٹریٹ کے لئے بون یونیورسٹی جرمنی چلے گئے۔ عمر کا زیادہ حصہ پیرس (فرانس) میں گزارا۔ انہوں نے فرانس سے بھی ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ان کو حکومت پاکستان نے ہلال امتیاز کا تمغہ عطا کیا۔ جس کی رقم انہوں نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کو دیدی۔ انکے ہاتھ پر قریباً تیس ہزار فرانسیسیوں نے اسلام قبول کیا۔ بعض نے یہ تعداد پچاس ہزار بھی بیان کی ہے۔ ان نومسلموں میں بعض دانشور محقق بھی شامل تھے۔ انہوں نے 250 کے قریب کتب لکھیں اور 24 کے لگ بھگ مقالات تحریر کیے۔ وہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ قرآن مجید کا تین زبانوں انگلش، جرمنی اور فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔ ان کی ایک کتاب کا نام "پہلا عالمی تحریر دستور" *The First Written Constitution in the World* ہے۔

80۔ جی ایل بیری *(G.L Berry)*
(پیدائش *1930*ء)

یہ مؤرخ، ماہر تعلیم و تربیت تھا جو کینیڈا میں البرٹا (*Alberta*) یونیورسٹی میں کئی برس تک پروفیسر رہا۔ اس نے کلوراڈو (کینیڈا) سے پی ایچ ڈی کی۔ اس نے تعلیم و تربیت پر کئی کتب لکھیں۔

81۔ جی۔ ڈبلیو لیٹنر *(G.W. LEITNER)*
(پیدائش *1840*ء وفات *1899*ء)

یہ برطانوی مستشرق تھا جو لسانیات کا عالم تھا۔ ایک یہودی خاندان میں ہنگری کے شہر بوڈاپسٹ میں پیدا۔ اسے بچپن ہی سے لسانیات میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ اس نے دس برس سے بھی کم عمر میں عربی، ترکی، اور یورپ کی کئی زبانوں پر عبور حاصل کرلیا

جن کی کل تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں اس نے برطانوی کمشن کریمیاں میں ترجمان کے فرائض ادا کیے۔ جنگ کریمیا کے بعد وہ لندن میں مزید تعلیم کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس نے اسلامی دنیا میں عبدالرشید السیاح کا نام اختیار کر کے دورہ کیا۔ انیس برس کی عمر میں وہ عربی، ترکی، اور یونانی زبانوں کا لیکچرر بن گیا۔ پھر تیئس برس کی عمر میں وہ لندن کے رائل کالج میں عربی اور اسلامی فقہ کا استاد مقرر ہوا۔ وہ کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج لاہور میں بھی پرنسپل رہا۔ وہ جامعہ پنجاب کے بانیوں میں سے تھا۔ اس نے کئی سکول، تعلیمی انجمنوں اور پبلک لائبریریوں اور علمی رسالوں کی بنیاد رکھی۔ پھر اس نے ہائیڈل برگ جرمنی میں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس نے فلسفہ قانونی اور السنہ شرقیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی۔ اس نے کئی کتابیں لکھیں۔ اس کی ایک کتاب ''دین محمدی ﷺ'' (Muhammadenism) ہے۔ اس کی اور کتاب ''اسلامی تصور جہاد کے بارے میں غلط فہمیاں'' *Misconceptions about the Islamic concept of Jihad)* ہے۔

82۔ فرتھج آف شوہان (FRITHJ OF SCHOUN)
(پیدائش 1907ء وفات 1998ء)

یہ جرمنی فلسفی تھا۔ اس نے مذہب الہیات پر کئی کتابیں لکھیں جو بیسویں صدی میں علم فلسفہ، تصوف، الہیات اور مذہب میں مستند سمجھی جاتی تھیں۔ وہ آرتھوڈاکس عیسائیت کا جدید متکلم بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ عیسائیت میں حلول کا عقیدہ وہی ہے جو مسلمانوں میں بھی موجود ہے اور جسے ابن عربی نے وحدت الوجود کے نام سے بیان کیا۔ وہ شاعر اور آرٹسٹ بھی تھا۔ وہ اپنی فرانسیسی نژاد والدہ کے ہمراہ اپنے والد کی وفات کے بعد فرانس چلا گیا جہاں اس نے وہیں کی شہریت اختیار کر لی۔

اس نے نوعمری ہی میں دو زبانوں جرمنی اور فرانسیسی میں مہارت حاصل کر لی۔ اس نے فرانسیسی فوج میں بھی خدمات سرانجام دیں۔ وہ کپڑوں پر نقاشی کا کام بھی کرتا رہا۔ اس نے وہاں کی ایک مسجد میں عربی زبان سیکھ لی۔ اس نے امریکہ کا سفر بھی کیا جہاں وہ اپنی وفات تک مقیم رہا۔ اس نے بیس کے قریب کتابیں لکھیں۔ اس کی ایک کتاب ''فہم اسلام'' *Understanding Islam* کے عنوان سے شائع ہوئی۔

83۔ ہنری جارج *(HENRY GEORGE)*

(پیدائش 1839ء وفات 1897ء)

یہ امریکی ماہر معاشیات تھا جس نے زمینداروں کی اراضی پر ٹیکس لگانے کی تجویز دی تھی۔ اس نے اقتصادیات پر کئی کتب لکھیں۔ اس نے ''ترقی اور غربت'' *(Progress and Poverty)* کے نام سے بھی ایک کتاب لکھیں۔

84۔ پیری بیل *(PIERRE BAYLE)*

(پیدائش 1647ء وفات 1706ء)

یہ فرانسیسی ادیب، فلسفی اور مصنف تھا۔ وہ پروٹیسٹنٹ عیسائی تھا۔ کئی جامعات میں فلسفہ اور تاریخ کا پروفیسر رہا۔ اس نے کئی کتب لکھیں۔ اس کی مشہور کتاب ''تاریخی اور تنقیدی ڈکشنری'' *Historicel and Critical Dictionary* کے نام سے ہے۔

85۔ مسٹر ہربی لوٹ *(MR. HERBELOT)*

(پیدائش 1866ء وفات 1946ء)

یہ برطانوی ادیب، مفکر، صحافی، ماہر سماجیات اور مورخ تھا۔ اس تخیلاتی افسانہ اور ناول کا ادبی موجد سمجھا جاتا ہے۔ اس نے باقاعدہ تعلیم مکمل کئے بغیر اسے چھوڑ دیا اور اپنے باپ کی غربت و افلاس کی وجہ سے اس نے کپڑے کے ایک تاجر کے ہاں کام

کرنا شروع کر دیا۔ جو کئی برس جاری رہا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ تعلیم کی تکمیل کے لئے لندن کے ایک سکول میں داخلہ لیا۔ وہاں اس نے بیالوجی (حیاتیات) کا مضمون اختیار کیا۔ وہ اشتراکیت سے بھی متاثر تھا اور اسی حوالے سے وہ معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اس نے تدریس شروع کر دی۔ اس نے روس کا دورہ بھی کیا اور اس کے صدر لینن سے ملاقات کی۔ اس کے علاوہ اس نے وہاں کے دوسرے صدر سٹالن اور امریکہ کے صدر روز ویلٹ سے بھی ملاقاتیں کیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ لندن میں مقیم تھا۔ اس نے کئی کتب لکھیں اس کی ایک کتاب کا نام ''مقدس دہشت گردی'' *(The Holy Terror)* ہے۔

86۔ ایم سلیگ سون *(M. SELIGSOHN)*

(پیدائش 1865)

یہ روسی امریکی مستشرق تھا جو روس میں پیدا ہوا۔ اس نے وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد وہ نیو یارک (امریکہ میں جدید زبانیں سیکھنے کے لئے گیا۔ پھر وہ پیرس چلا گیا جہاں اس نے السنہ شرقیہ اور سامی زبانوں میں تخصص کیا۔ 1989ء میں اسے ایک یہودی یونیورسٹی کی طرف حبشہ میں یہودیوں کے احوال و واقعات کے بارے میں تحقیق کے لئے بھیجا گیا۔ لیکن وہ اپنی اس مہم میں ناکام رہا۔ اس عرصے میں وہ قاہرہ میں تدریس کا کام کرتا رہا۔ پھر وہ پیرس واپس چلا گیا جہاں اسے نیو یارک (امریکہ) کے ایک ادارے کی طرف سے یہودی مذہبی انسائیکلوپیڈیا کی تدوین میں شرکت کی پیش ہوئی۔ اس نے کئی کتب لکھیں۔ اس نے ''طرفہ بن العبد'' کے دیوان کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔

87۔ سید سلیمان ندوی

(وفات 1953)

آپ ہندوستان کے مشہور علماء میں سے ہیں۔ تاریخ، حدیث، اور سیرت نگاری

میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ بھوپال میں قاضی بھی رہے۔ ماہنامہ المعارف کے برسوں تک ایڈیٹر رہے۔ وہ 1950ء میں کراچی منتقل ہو گئے انہوں نے اردو میں کئی کتب لکھیں جیسے "سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا" لیکن ان کی شاہکار کتاب "سیرت النبی ﷺ" ہے جسے مولانا شبلی نعمانی نے لکھنا شروع کیا تھا۔ اور ابھی دو جلدیں مکمل کر پائے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی اس کے بعد سید سلیمان ندوی نے جو ان کے شاگرد تھے اسے سات جلدوں میں مکمل کر لیا۔

88۔ امام احمد حنبل

(پیدائش 164ھ وفات 241ھ)

آپ کا پورا نام ابوعبداللہ احمد محمد حنبل شیبانی ہے۔ آپ آئمہ اربعہ میں سے ہیں۔ آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تحصیل علم کے لئے بہت سفر کیا۔ اسی دوران میں آپ کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام، مراکش، الجزائر، فارس اور خراسان بھی گئے۔ آپ نے احادیث کا ایک ضخیم مجموعہ "المسند" کے نام سے مرتب کیا جو تیس ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اسلامی علوم پر اور بھی کئی کتب لکھیں۔ عباسی خلیفہ معتصم باللہ نے آپ کو خلق قرآن کے مسئلے میں اختلاف پر کوڑے لگوائے اور پھر کچھ عرصہ کے لئے جیل میں بند کر دیا۔

89۔ ہنری لیمنز (HENRY LAMMENS)

(پیدائش 1862ء وفات 1937ء)

یہ مستشرق تھا جو بلجیم میں پیدا ہوا اس نے فرانس کی شہرت اختیار کی اور لبنان میں مقیم رہا۔ وہ عیسائی یونیورسٹی بیروت میں پڑھتا رہا اس نے تاریخ اسلام اور ادب عربی میں مہارت حاصل کی۔ ابتدائی دور اسلام کی تاریخ اس کا خاص موضوع تھا۔ اس نے تاریخ اسلام پر کئی کتابیں لکھیں۔

90۔ ایل ویشیاویگلری(L. VECCIA VAGLIERI)
(پیدائش1893ءوفات1989ء)

یہ اطالوی محقق، مستشرق اور پروفیسر تھی۔ وہ قدیم وجدید تاریخ اسلام کی ماہر تھی۔ اس نے اٹلی میں عربی اور اسلامیات کے فروغ میں بہت حصہ لیا۔ اس نے اسلام اور عربی زبان وادب پر کئی کتب لکھیں۔

91۔ آرتھر این وولسٹن(ARTHUR. N. WOOLASTON)
(پیدائش1842ءوفات1922ء)

یہ برطانوی ہندوستان میں ایل بلدیاتی ادارے کارکن تھا۔ اسے سر کا خطاب بھی دیا گیا۔ اس نے اسلام اور سیرت پر کئی کتابیں لکھیں۔ اسے فارسی زبان پر عبور حاصل تھا۔ اس نے انگلش فارسی ڈکشنری بھی لکھی اس کی دو کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ ''آدھ گھنٹہ محمد ﷺ'' کے ساتھ Half Hour with Muhammad دوسری ''اسلام کی تلوار''(The Sword of Islam)

92۔ فرانٹ بوہل(FRANTZ BUHL)
(پیدائش1850ءوفات1932ء)

یہ ڈنمارک کا مستشرق تھا۔ وہ کوپن ہیگن میں پیدا ہوا۔ وہ وہاں کی یونیورسٹی کا سامی زبانوں کا پروفیسر تھا۔ اس نے اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے بعض ابواب کی تدوین میں بھی حصہ لیا۔ اس نے کئی کتب لکھیں۔ بائبل کا ترجمہ ڈنمارک کی زبان میں کیا۔ اس نے ''حیات محمد''(Mohammad's Life) کے نام سے بھی کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس نے تعصب اور عناد کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ دور جاہلیت کی تاریخ اور ادب کا بھی ماہر تھا۔

93۔ مارک سائیکس(MARK SYKES)

(پیدائش1879ءوفات1919ء)

یہ برطانوی مستشرق اور سفارت کار تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں وہ قسطنطنیہ میں برطانیہ کا سفارت کار رہا۔ اس نے کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ وہ فوجی خدمات پر بھی مامور رہا۔ پھر لارڈ کچنر نے اسے وزیر دفاع بنا دیا وہ شرق اوسط کے امور سے متعلق وزارت کا سربراہ بھی تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب برطانیہ فرانس اور روس نے خلافت عثمانیہ کے مقبوضات کو تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا تو اس نے بندر بانٹ میں مارک سائیکس نے برطانوی استعمار کے مفادات کو پیش نظر رکھا۔ شرق اوسط کی موجودہ سیاسی اور جغرافیائی تقسیم کا باعث یہی شخص تھا۔ وہ پیرس میں ایک کانفرنس کے دوران ہوٹل میں برڈ فلو کی بیماری سے مر گیا۔

94۔ جی ایم ڈریکاٹ(G.M. DRAYCOTT)

(پیدائش1881ءوفات1978ء)

وہ برطانیہ کے شہر نوٹنگھم میں پیدا ہوئی۔ اس کی شادی 1915ء میں جوزف ولیم سے ہوئی تھی۔ اس نے کئی کتب لکھیں۔ اس کی ایک کتاب کا نام ''محمد ﷺ بانیِ اسلام''(The Founder of Islam) ہے۔

95۔ فری مین(FREEMAN)

(پیدائش1823ءوفات1892ء)

یہ برطانوی مورخ تھا۔ اسے آکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ جدید کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اس نے تاریخ پر کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک کتاب ''مسلمانوں کی تاریخ اور فتوحات'' A History of Conquests Saracens بھی ہے۔

96۔ چارلس سٹورٹ ملز (CHARLES STUART MILLS)

(پیدائش 1788ء وفات 1826)

یہ اپنے زمانے کا مشہور انگریز مورخ تھا۔ اس نے کئی کتب لکھیں۔ اس کی ایک کتاب کا نام ''تاریخ دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (History of Mohammadanism) ہے۔

97۔ براٹرام تھامس (BERTRAM THOMAS)

(پیدائش 1892ء وفات 1950ء)

یہ انگریز سیاح تھا۔ وہ برسٹل میں پیدا ہوا۔ اس نے ٹرینٹی کالج کیمرج سے تعلیم حاصل کی۔ وہ پہلے بلدیاتی خدمات پر مامور رہا پھر اس نے پہلی جنگ عظیم کے دوران بلجیم میں ملازمت کی۔ بطور انگریز سیاسی سفارت کار عرب ممالک عرق، اردن اور مسقط میں متعین رہا۔ اس کے بعد وہ لبنان کے ایک عربی مدرسے میں پہلا ناظم مقرر ہوا۔ یہ پہلا یورپی تھا جس نے سعودی عرب کے مشہور صحرا ''الربع الخالی'' کو 58 دنوں میں عبور کیا۔ اس دوران اس نے وہاں کھاری پانی کی ایک جھیل بھی دیکھی جس کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے یہ خلیج سمندر کی ایک شاخ تھی۔ وہ اپنے وطن مالوف میں فوت ہو گیا۔ اس نے کئی کتب لکھیں۔ اس کی ایک کتاب کا نام ''خوش قسمت عرب'' (ARABIA FELIX) ہے۔

98۔ ڈبلیو ولسن کیش (W.WILSON CASH)

(پیدائش 1880ء وفات 1955ء)

یہ برطانوی عیسائی پادری اور مشنری تھا۔ وہ مانچسٹر کے قریب ایک مقام پر پیدا ہوا۔ وہ کئی برس مصر میں مشنری سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ اس کے بعد وہ برطانوی

فوج میں بھی ملازم رہا۔ وہ کلیسا کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہا۔ اس نے اسلام کے بارے میں کئی کتب لکھیں۔ اس کی ایک کتاب ''اسلام کی توسیع'' (The Expansion of Islam) کے نام سے ہے۔

99۔ آر۔وی۔سی۔بوڈلے (R.V.C. BODLEY)
(پیدائش 1892ء)

یہ برطانوی ادیب تھا۔ اس کا باپ مشہور مورخ تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں وہ برطانیہ کی طرف سے لڑا۔ اس کے بعد وہ جنوبی افریقہ چلا گیا جہاں وہ آٹھ برس تک صحرا نوردی کرتا رہا۔ اس نے عربی لباس پہنا اور اسلامی وضع قطع اختیار کر لی پھر اس نے صحافت کا پیشہ اپنایا۔ اس کے بعد وہ ڈرامہ نویس بن گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ جاسوسی بھی کرتا رہا۔ وہ کچھ عرصہ پیرس میں مقیم رہا۔ آخری ایام میں وہ امریکہ چلا گیا۔ اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ اس نے سیرت پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ''حیات محمد ﷺ رسول اللہ'' (The Messenger, the Life of Mohammad) اس کتاب کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

غزوات کی مختصر تفاصیل

1۔ غزوۂ ابواء

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب ''رسول رحمت'' صفحہ نمبر 262 کے مطابق مدینہ منورہ سے 128 کلومیٹر کے فاصلہ پر بمقام ودان وقوع پذیر ہوا۔ یہ غزوہ ''اٹلس سیرت نبوی'' صفحہ 22 تالیف ڈاکٹر شوقی ابوخلیل (اضافی تشریحات وتوضیحات) و ''محمد رسول اللہ ﷺ'' از علامہ شیخ محمد رضا مصری صفحہ 209 کے مطابق اندازاً 15 ایام پر محیط رہا۔

2۔ غزوۂ بواط

''اٹلس سیرت نبوی'' کے صفحہ 204 (اضافی تشریحات وتوضیحات) کے مطابق بواط کے مقام پر مدینہ منورہ سے 100 کلومیٹر کے فاصلے پر ہوا۔ آنحضرت ﷺ ماہ ربیع الاول 2ھ میں اس غزوہ کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے اور پورا ماہ ربیع الثانی اور جمادی الاول کے ابتدائی ایام میں حضور ﷺ وہیں قیام پذیر رہے اور پھر مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے بحوالہ ''سیرت النبی'' جلد اول، از ابن کثیر، صفحہ 204 جملہ ایام 40 صرف ہوئے۔

3۔ غزوۂ عشیرہ

ذوالعشیرہ کے مقام پر بمطابق ''اٹلس سیرت نبوی'' صفحہ 204 مدینہ منورہ سے 130 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہوا۔ آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ سے جمادی الاولیٰ 2ھ کو روانہ ہوئے۔ ''سیرت ابن ہشام'' جلد اول صفحہ 692 کے مطابق بقیہ ماہ جمادی الاول اور جمادی الاخری کی چند راتیں وہاں قیام پذیر رہے جبکہ علامہ شیخ محمد رضا

مصری کی تصنیف ''محمد رسول اللہ'' کے مطابق آنحضرت ﷺ نے وہاں پر ایک ماہ قیام فرمایا اور ''سیرت النبی'' از ابن کثیر کی جلد اول صفحہ 529 کے مطابق آپ ﷺ نے جمادی الاول اور جمادی الاخری کے چند روز قیام فرمایا۔ مگر مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ''رسول رحمت'' کے صفحہ 263 کے مطابق آپ ﷺ نے جمادی الاول کے بقیہ ایام اور جمادی الثانی کے کچھ دن وہاں گزارے۔ تاریخ طبری جلد اول صفحہ 150 کے مطابق جمادی الاول کا بقیہ حصہ اور کچھ راتیں جمادی الثانی کی وہاں پر قیام پذیر رہے۔

4۔ غزوۂ بدرِ اُولیٰ

بمقام سفوان ہوا۔ سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ 693 کے مطابق آپ مدینہ منورہ سے ربیع الاول 2ھ کو روانہ ہوئے اور نواحِ بدر میں جحفہ کے قرب میں واقع ایک وادی سے ہوتے ہوئے سفوان تک پہنچے۔

5۔ غزوۂ بدر

بحوالہ ''رسول رحمت ﷺ'' از مولانا ابوالکلام آزاد مدینہ منورہ سے 128 کلومیٹر، بحوالہ سیرت اٹلس مدینہ منورہ سے 100 کلومیٹر اور بحوالہ سفر نامہ ''ارض القرآن'' صفحہ 165-166 مدینہ منورہ سے 162 کلومیٹر کے فاصلہ پر بدر کے مقام پر ہوا۔ مدینہ منورہ سے روانگی کی تاریخ ابن اسحاق بن صفوان کے مطابق 8 رمضان 2 ہجری بمطابق 4/5 مارچ 625ء۔ ابن سعید کے مطابق 12 رمضان 2ھ بمطابق 8 مارچ 624ء (رسول رحمت صفحہ 271) غزوہ بدر 17 رمضان المبارک 2ھ کو ہوا اور پھر 18-19 اور 20 رمضان المبارک 2ھ حضور ﷺ تین ایام تک بدر میں قیام پذیر رہے۔ (سیرت رسول عربی صفحہ 132) تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ 87 کے مطابق 22-23 رمضان 2 ہجری یعنی رمضان ختم ہونے سے 8 روز قبل مدینہ منورہ

لوٹے۔

آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ میں شرکت کے لیے 5 روز کا سفر کیا۔ اور واپسی مدینہ منورہ بھی 5 روز میں ہوئی اور 4 روز بدر میں قیام ہوا۔ اس طرح جملہ قریباً 14 روز بنتے ہیں۔ (محمد رسول اللہ از شیخ محمد رضا مصری صفحہ نمبر 332)

6۔ غزوۂ بنی قینقاع

شوال، 2ھ میں مدینہ کے نواح میں بستی بنوقینقاع میں وقوع پذیر ہوا۔ ''اٹلس سیرت نبوی'' کے مطابق 15 شوال 2ھ سے 15 روز تک محاصرہ جاری رہا۔ علامہ شیخ رضا مصری کی تصنیف ''محمد رسول اللہ ﷺ'' صفحہ نمبر 356 میں بھی اسی طور درج ہے۔ اس غزوہ میں آنجناب ﷺ مدینہ سے جملہ 18 دن باہر رہے۔

7۔ غزوۂ الکدر/ بنی سلیم

مقام الکدر خیطہ، مدینہ منورہ سے 154 کلومیٹر دور (بحوالہ حواشی سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ 21) شوال دو ہجری میں نبی کریم ﷺ اس غزوہ میں شرکت کے لیے گئے۔ مقام غزوہ پر تین روز قیام فرمایا۔ ''محمد رسول اللہ'' از شیخ محمد رضا مصری صفحہ 352 کے مطابق آپ اس غزوہ کے سلسلہ میں جملہ 15 روز مدینہ سے باہر رہے۔

8۔ غزوۂ سویق

قرقرہ الکدر کے مقام پر ہوا جو کہ بمطابق ''اٹلس سیرت نبوی'' مدینہ منورہ سے 154 کلومیٹر دور ہے۔ 2ھ میں مدینہ سے روانگی ہوئی۔ اندازاً 15 ایام آنحضور ﷺ نے مدینہ منورہ سے باہر گزارے۔

9۔ غزوۂ ذی امر/ غزوہ غطفان

''رسول رحمت'' صفحہ 293 کے مطابق 36/40 میل یا 58/64 کلومیٹر مدینہ

سے جانب شمال تقریباً تین منزلوں کے فاصلے پر دیار معطفانی کے مقام پر وقوع پذیر ہوا۔ ''سیرت ابن ہشام'' جلد دوئم صفحہ 23 کے حوالہ کے مطابق صفر کا پورا مہینہ اس غزوہ کے آنے جانے اور لڑائی میں صرف ہوا۔

10۔غزوہ بحران

بمقام بحران القرع بمطابق ''سیرت ابن ہشام'' جلد دوئم صفحہ 23 مدینہ منورہ سے 160 کلومیٹر دور وقوع پذیر ہوا۔غزوہ ہذا ''تاریخ ابن خلدون'' جلد اول صفحہ 92 کے مطابق 3 ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ بیرون مدینہ حضور ﷺ کا قیام اندازاً 30 یوم بنتے ہیں۔

11۔غزوہ احد

ایک دن ایک رات پر محیط یہ غزوہ احد کے مقام پر جو حضور ﷺ کی مسجد سے 5.5 کلومیٹر دور ہے وقوع پذیر ہوا۔

12۔غزوہ حمراء الاسد

بمقام حمراء الاسد، ''اٹلس سیرت نبوی'' صفحہ 25 کے مطابق مدینہ منورہ سے 13 کلومیٹر کے فاصلے پر وقوع پذیر ہوا اور یہی صورت حال ''مغازی رسول اللہ'' از عروہ بن زوہیر صفحہ 81 پر درج ہے۔

13۔غزوہ بنی نضیر

بمقام بنی نضیر جو نواح مدینہ میں ایک وادی مذنیب میں واقع ہے اور مسجد نبوی شریف سے اس کا فاصلہ 4-3 کلومیٹر ہے وقوع پذیر ہوا۔آمدورفت اور مقام غزوہ پر 15 ایام صرف ہوئے۔

14۔غزوہ بدرالموعدہ/بدرہ الاخرہ/بدرالثانیہ

یہ غزوہ مقام بدر پر وقوع پذیر ہوا۔ مدینہ منورہ سے روانگی ذوالقعدہ 4ھ ہے اور مقام غزوہ کا فاصلہ 162 کلومیٹر ہے۔ ''تاریخ ابن خلدون'' جلد اول صفحہ 117 کے مطابق غزوہ سے واپسی 8 دن کے بعد ہوئی۔ ''حیات محمد'' صفحہ 386 از محمد حسین ہیکل کے مطابق بھی 8 دن ہی درج ہے اور مدینہ سے آپ ﷺ 18 دن باہر رہے۔

15۔غزوۂ ذات الرقاع

نجد کی جانب وقوع پذیر ہوا۔ مدینہ منورہ سے فوج کشی کے لیے 10 محرم 5ھ کو سرکار دو عالم ﷺ روانہ ہوئے۔ (بحوالہ رسول رحمت، صفحہ 330)۔ مقام غزوہ ''اٹلس سیرت نبوی'' صفحہ 269 کے مطابق مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر ہے۔ بحوالہ ''حیات محمد'' از محمد حسین ہیکل صفحہ 388 اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے 15 روز باہر رہے۔ ''رسول رحمت'' کے صفحہ 330 کے حوالے سے 25 محرم الحرام 5ھ مدینہ منورہ واپسی ہوئی۔

16۔غزوۂ دومۃ الجندل

بمقام دومۃ الجندل وقوع پذیر ہوا۔ ''محمد رسول اللہ ﷺ'' از شیخ محمد رضا مصری صفحہ 425 کے مطابق مدینہ منورہ سے 15 ایام کی مسافت پر ہے۔ آپ ﷺ 25 ربیع الاول 5ھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور 20 ربیع الثانی 5 ہجری بمطابق 18 ستمبر 626ء کو 25 روز کے بعد واپس مدینہ منورہ پہنچے۔ (بحوالہ رسول رحمت صفحہ 330)

17۔غزوۂ مریسیع

مقام مریسیع بحوالہ ''رسول رحمت'' صفحہ 330 مدینہ منورہ سے 173 کلومیٹر دور

ہے۔آپ ﷺ 2 شعبان 5ھ کو مدینہ منورہ سے غزوہ کے لیے روانہ ہوئے (بحوالہ رسول رحمت صفحہ 330) اور ''تاریخ طبری'' جلد اول صفحہ 304 کے مطابق ذی القعدہ یا ابتدائے ذی الحج 5ھ واپس مدینہ منورہ پہنچے۔

18۔غزوۂ خندق

مدینہ منورہ میں وقوع پذیر ہوا۔ ''تاریخ ابن خلدون'' کی جلد اول صفحہ 119 کے مطابق یہ غزوہ 4ھ میں ہوا اور اواخر شوال 5ھ خندق کی کھدائی شروع ہوئی جو تقریباً تین ہفتے میں مکمل ہوئی۔ ایک ماہ محاصرہ رہا۔ اور ''محمد رسول اللہ'' از شیخ رضا مصری صفحہ 449 اور ''صحیح مسلم'' جلد 5 صفحہ 549 پر ایسا ہی درج ہے۔ مقام غزوہ پر قیام کی مدت میں اختلاف ہے۔ ''رسول رحمت'' صفحہ 337 میں مندرج طبقات ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق محاصرہ 24 راتیں جاری رہا۔ ''رسول رحمت'' صفحہ 338 کے مطابق اس غزوہ میں سرکار ﷺ اواخر شوال تا 25 ذیقعد 5ھ جملہ 24 دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔

19۔غزوہ بنوقریظہ

نواح مدینہ میں وقوع پذیر ہوا۔ 23 ذی القعد سے شروع ہو کر بروئے ابن ہشام جلد دوئم صفحہ 272 محاصرہ 25 روز جاری رہا۔ ''اٹلس سیرت نبوی'' کے صفحہ 283 کے مطابق آنحضرت ﷺ 25 روز بیرون مدینہ رہے۔

20۔غزوہ بنولحیان

عسقان کے مقام پر جو مکہ مکرمہ اور جحفہ کے درمیان پانی کا گھاٹ ہے۔ مکہ مکرمہ سے 36 میل کے فاصلہ پر ابتدائے ربیع الاول 6ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ بحوالہ ''محمد رسول اللہ'' صفحہ 473 اور ''اٹلس سیرت نبوی'' صفحہ 287 اس غزوہ کے سلسلہ میں نبی اکرم

ﷺ مدینہ منورہ سے 14 دن باہر رہے۔

21۔غزوہ ذی قرد (الغابہ)

''اٹلس سیرت نبوی'' صفحہ 289 بحوالہ ''مجمع البلدان'' جلد 4 کے مطابق مدینہ منورہ سے دو راتوں کی مسافت پر وقوع پذیر ہوا۔ ''تاریخ ابن خلدون'' صفحہ 127 آپ ﷺ ایک دن اور ایک رات وہاں قیام پذیر رہے، ''محمد رسول اللہ'' صفحہ 475 کے مطابق آپ ﷺ مدینہ منورہ سے 5 دن باہر قیام پذیر رہے۔

22۔غزوۂ حدیبیہ

ذی القعد 6ھ میں نبی اکرم ﷺ بہ قصد عمرہ و ادائے حج مدینہ سے صحابہ کرام کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔ حدیبیہ مکہ مکرمہ سے 22 کلومیٹر بجانب جدہ واقع ہے۔ کفار نے سرکار ﷺ کا راستہ روکا اور آمادہ جنگ ہوئے۔ (حوالہ ''تاریخ ابن خلدون'' جلد اول صفحہ 133) بالآخر معاملہ صلح حدیبیہ کی صورت میں اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد چند روز سرکار ﷺ وہی مقیم رہے اور بعد میں مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اندازاً 18 ایام مدینہ منورہ سے باہر رہے۔

23۔غزوۂ خیبر

مدینہ طیبہ سے 184 کلومیٹر کے فاصلہ پر مقام خیبر ہے۔ (بحوالہ اٹلس سیرت نبوی صفحہ 330)۔ یہ مہم دو ماہ پر محیط ہے (بحوالہ ''آنحضور کے نقش قدم پر'' جلد دوم (حرم مدینہ) از پروفیسر عبدالرحمٰن عبد صفحہ 107)

24۔فتح مکہ

سرکار ﷺ 10 رمضان 8ھ کو مدینہ طیبہ سے 10 ہزار صحابہ کی معیت میں مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے 20 رمضان کو فتح مکہ کے بعد 18 روز

وہاں قیام فرمایا۔(حوالہ محمد رسول اللہ صفحہ 626)

25۔غزوۂ حنین

مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد آنحضرت ﷺ یکم شوال 8ھ کو مقام غزوہ وادیٔ حنین کی طرف روانہ ہوئے۔وادی حنین مکہ سے 48 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے(بحوالہ اٹلس سیرت نبوی صفحہ 409)۔

26۔غزوۂ طائف

غزوۂ حنین کے اختتام کے بعد آنحضرت ﷺ غزوۂ طائف کے لیے روانہ ہوئے یہ غزوہ 20 ایام پر محیط ہے۔(بحوالہ تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ 170)۔
فتح مکہ،غزوہ حنین اور غزوہ طائف کے اختتام کے بعد 24 ذی قعد 8ھ تقریباً 75 ایام کے بعد مدینہ منورہ واپس ہوئے۔(تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ 173)

27۔غزوۂ تبوک

بمقام تبوک رجب 9ھ میں مدینہ منورہ سے قریباً 650 کلومیٹر کے فاصلہ پر یہ غزوۂ وقوع پذیر ہوا۔مدت قیام بمقام تبوک 20 ایام ہے(حوالہ "محمد رسول اللہ" صفحہ 654)اور آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ سے تین ساڑھے تین ماہ باہر رہنا پڑا۔

فہرست غزوات

1	غزوہ بنو سلیم	محرم 2ھ
2	غزوہ ابواء	صفر 2ھ
3	غزوہ بواط	ربیع الاول 2ھ
4	غزوہ بدر اولیٰ	ربیع الاول 2ھ
5	غزوہ ذوالعشیرہ	جمادی الثانی 2ھ
6	غزوہ بدر الکبریٰ	رمضان 2ھ
7	غزوہ بنو قینقاع	شوال 2ھ
8	غزوہ سویق	ذی الحجہ 2ھ
9	غزوہ غطفان	ربیع الاول 3ھ
10	غزوہ اُحد	6 شوال 3ھ
11	غزوہ حمراء الاسد	شوال 3ھ
12	غزوہ بنو نضیر	ربیع الاول 4ھ
13	غزوہ بدر الاخریٰ	ذی قعدہ 4ھ
14	غزوہ دومتہ الجندل	ربیع الاول 5ھ
15	غزوہ بنو مصطلق	شعبان 5ھ
16	غزوہ خندق یا احزاب	شوال یا ذی قعدہ 5ھ
17	غزوہ بنو قریظہ	ذی الحجہ/ذی قعدہ 5ھ
18	غزوہ بنی لحیان	ربیع الاول 6ھ

19	غزوہ ذی قردہ یا غابہ	ربیع الثانی 6ھ
20	غزوہ عریتیس	شوال 6ھ
21	غزوہ حدیبیہ	ذی قعدہ 6ھ
22	غزوہ وادی القریٰ	محرم 7ھ
23	غزوہ ذات الرقاع	محرم 7ھ
24	غزوہ خیبر	محرم 7ھ
25	غزوہ فتح مکہ	رمضان المبارک 8ھ
26	غزوہ طائف	شوال 8ھ
27	غزوہ حنین یا اوطاس یا ہوازان	شوال 8ھ
28	غزوہ تبوک	رجب 9ھ
29	غزوہ صفوان	
30	غزوہ ذی امر	
31	غزوہ الفیرع	
32	غزوہ عمرۃ القضاء	

فہرست سرایاجات

1	سریہ سیف البحر	رمضان 1ھ
2	سریہ رابغ	شوال 1ھ
3	سریہ ضرار	ذی قعد 1ھ
4	سریہ نخلہ	رجب 2ھ
5	سریہ عمیر بن العدی الخطمی	رمضان 2ھ
6	سریہ عالم بن عمیر انصاری	شوال 2ھ
7	سریہ غالب بن عبداللہ لیثی	محرم 2ھ
8	سریہ محمد بن مسلمہ	ربیع الاول 3ھ
9	سریہ قرئی	جمادی الثانی 2ھ
10	سریہ عبداللہ بن انیس	5 محرم 4ھ
11	سریہ رجیع	صفر 4ھ
12	سریہ بیرٔ معونہ	صفر 4ھ
13	سریہ ابو سلمے	محرم 4ھ
14	سریہ عمرو بن امیہ الضمری	ربیع الاول 4ھ
15	سریہ عبداللہ بن عتیک	ذی قعد 5ھ
16	سریہ قریضا	محرم 6ھ
17	سریہ عکاشہ بن محصن	ربیع الثانی 6ھ
18	سریہ محمد بن مسلم	محرم 6ھ

19	سریہ ذی القصہ	ربیع الثانی 6ھ
20	سریہ بنو ثعلبہ	ربیع الثانی 6ھ
21	سریہ مجوم	ربیع الثانی 6ھ
22	سریہ طرف یا طریق	جمادی الثانی 6ھ
23	سریہ وادی القریٰ	رجب 6ھ
24	سریہ دومتہ الجندل	شعبان 6ھ
25	سریہ فدک	شعبان 6ھ
26	سریہ ام قرفہ	رمضان 6ھ
27	سریہ عبداللہ بن رواحہ	شوال 6ھ
28	سریہ عمرو بن امیہ	شوال 6ھ
29	سریہ عرینیین	شوال 6ھ
30	سریہ عیص	7ھ
31	سریہ کدید	صفر 7ھ
32	سریہ حسمی	جمادی الثانی 7ھ
33	سریہ تربہ	
34	سریہ بنو کلاب	
35	سریہ منقعہ	رمضان 7ھ
36	سریہ خربہ	رمضان 7ھ
37	سریہ بنی مرحا	شوال 7ھ
38	سریہ بشیر بن سعد انصاری	شوال 7ھ
39	سریہ ذات الطلع	ربیع الاول 8ھ

40	سریہ ذات عرق	ربیع الاول 8ھ
41	سریہ موتہ	جمادالاول 8ھ
42	سریہ ذات السلاسل	جمادی الثانی 8ھ
43	سریہ سیف البحر	رجب 8ھ
44	سریہ محارب	شعبان 8ھ
45	سریہ خالد بن ولید	رمضان 8ھ
46	سریہ عمرو بن العاص	رمضان 8ھ
47	سریہ سعد اشہلی	رمضان 8ھ
48	سریہ عیینہ بن حصن	محرم 9ھ
49	سریہ قطبہ بن عامر	صفر 9ھ
50	سریہ ضحاک بن سفیان	ربیع الاول 9ھ
51	سریہ عبداللہ بن حذافہ	ربیع الاول 9ھ
52	سریہ بنو طے	9ھ
53	سریہ دومۃ الجندل	(1)

1۔ سبل الہدیٰ، 2۔ ضیاء النبی، جلد سوم، صفحہ 316

اشاریہ INDEX

رضی اللہ تعالیٰ عنہن

امہات
المومنین
اور
مستشرقین
ظفر علی قریشی